امامِ ربّانی اور
اتباعِ رسولِ گرامی
ابوالخیر ڈاکٹر محمّد زبیر
www.maktabah.org

ابوالخیر ڈاکٹر محمد زبیر

حافظ عبیداللہ طاہری

ملنے کا پتہ :-

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ - لاہور فون: 7324948

نام کتاب

امام ربانی اور اتباع رسول گرامی

مصنف

ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر

اشاعت اوّل

اگست 2001ء

اشاعت دوم

جون 2005ء

تعداد

گیارہ سو

زیر اہتمام

ایم احسان الحق صدیقی

ناشر

مکتبہ جمالِ کرم لاہور

قیمت

120/- روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ جمالِ کرم ۔ ۹ مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور

فون: 042-7324948

فہرست مضامین

نَحمُدُہ، وَنُصلی ونسلم علےٰ رَسُولِہِ الکَریم

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونی یحببکُمُ اللّٰہُ ویَغفِرلَکُم ذُنُوبکُم وَاللّٰہُ غفُورٌرَّحِیمo(سورۃ آلِ عمران آیت ۳۱ / ۳)

ترجمہ :اے محبوب آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو !اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالیگا۔اور تمہارے سارے گناہ بخش دیگا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اس آیۂ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی محبوبیت حاصل کرنے کا واحد طریقہ اتباع مصطفےٰ ہے۔اللہ کے محبوب حضور سرور کائنات ﷺ کا جو جتنا زیادہ اتباع کریگا۔اس کو اتنا ہی اللہ کا قرب اور اس کی محبوبیت کا اعلیٰ مقام حاصل ہوتا چلا جائے گا۔

اہمیت اتباع : آیئے سب سے پہلے محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ اتباع مصطفےٰ ﷺ کی کیا اہمیت ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

(۱) آپ ﷺ کی اتباع کا ایک ذرہ تمام دنیاوی لذتوں اور اخروی نعمتوں سے کئی درجہ بہتر ہے۔ فضیلت روشن سنت کے اتباع کے ساتھ وابستہ ہے اور عزت وبزرگی آپ کی شریعت کی بجا آوری کے ساتھ مربوط ہے۔(دفتر اول مکتوب ۱۱۴)

(۲) دنیا کا سامان دھوکا ہی دھوکا ہے اور معاملہ اخروی پر ابدی جزاء مرتب ہوگی چندروزہ زندگی اگر سید الاولین والآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر بسر ہو تو نجات ابدی کی امید ہے ورنہ کوئی بھی اور کیسا ہی اچھا عمل کیوں نہ ہو سب ہیچ اور بے کار ہے۔

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراوست

ترجمہ : محمد عربی ﷺ جو دونوں جہان کی عزت وآبرو ہیں۔جو آپ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے۔(دفتر اول، مکتوب ۱۲۵)

(۳) آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی حضرت سید الاولین والآخرین علیہ کی متابعت سے وابستہ ہے۔ آپ ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام پر پہنچتے ہیں۔ آپ کے کامل تابعداران کو نبی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرمایا جاتا ہے۔ اولوالعزم پیغمبر آپ کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام آپ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو آپ ہی کا اتباع کرتے اور عیسیٰ روح اللہ کے نازل ہونے اور ان کا حضرت حبیب خدا علیہ کے اتباع کرنے کا واقعہ تو مشہور و معلوم ہے۔ آپ کی امت آپ کی متابعت کے باعث خیر الامم ہوئی اور اس میں اکثر اہل جنت ہیں قیامت کے دن آپ کی اتباع کی بدولت آپ کی امت تمام امتوں سے پہلے بہشت میں جائیگی اور ناز و نعم حاصل کریگی۔ پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت علیہ کی متابعت اور سنت کو لازم پکڑیں اور شریعت حقہ کے موافق اعمال بجالائیں۔

محبوبیت اور اتباع : قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ میرے محبوب کا اتباع کرو تو تم میرے محبوب بن جاؤ گے۔ اس کے متعلق ذھن میں ایک سوال آتا ہے کہ آخر محبوبیت سے اتباع کا کیا تعلق ؟ اتباع کی وجہ سے آدمی اللہ کا محبوب کیسے ہو جاتا ہے ؟ اس فلسفہ محبوبیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ :

> "ہر وہ چیز جس میں محبوب کے اخلاق و عادات پائے جاتے ہوں محبوب کیساتھ وابستگی اور اس کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ بھی محبوب اور پیاری ہو جاتی ہے اس کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے "فاتبعونی یحببکم اللہ" لہذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیروی میں کوشش کرنا بندہ کو مقام محبوبیت تک لیجاتا ہے۔ تو ہر عقلمند اور دانشمند پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں ظاہراً و باطناً پوری سعی اور کوشش کرے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ دوم مکتوب ۱۴۱)

ردبدعت : آپ نے اپنی ساری زندگی خود بھی اتباع سنت میں گزاری اور دوسروں کے دلوں میں بھی اتباع سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور عظمت بیٹھا کے ان کو بھی اتباع سنت کا خوگر بنایا۔ اب چونکہ "بدعت" اتباع سنت کی ضد ہے۔ لہذا جہاں آپ نے زور و شور سے اتباع سنت کی تلقین

کی اور اس پر زور دیا وہاں اس کی ضد بدعت سے بھی لوگوں کو اسی شدت کیساتھ روکا اور بدعتوں سے بچنے کی پرزور طریقہ سے تلقین فرمائی۔ مکتوبات شریف سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

(۱) سب سے اعلےٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنت سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے اجتناب کریں۔۔۔ سعادتمند وہ شخص ہے جو اس غربت میں متروک سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ و معمولہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔۔۔ بدعت کا جاری رہنا دین کی بربادی کا موجب ہے۔ اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے نبی کا یہ فرمان آپ نے سنا ہوگا۔ " من و قر صاحب البدعة فقداعان علے هدم الاسلام ۔ پورے ارادے اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ سنتوں میں کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ خصوصاً ان دنولی میں جبکہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے اسلام کی رسمیں جب ہی قائم رہ سکتی ہیں جبکہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے۔ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۲۳)

(۲) سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور آپ کی متابعت اختیار کریں سنت سنیہ کو بجا لائیں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کرین اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کے لئے شفاء ہے اور نہ ہی کسی مریض کے لئے دوا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۱۹)

(۳) سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رونق کو امور محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۰)

عبادات و عادات میں فرق : بعض حضرات نے آپ سے استفسار کیا تھا کہ آپ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے جبکہ کھلی قبا اور شلوار پہنے سے منع نہیں کرتے حالانکہ یہ بھی حضور کے زمانہ میں نہیں تھی اور یہ بھی بدعت ہے لہذا اس سے آپ منع کیوں نہیں کرتے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت کے طریقہ پر اور دوسرا عرف و عادات کے طریقہ پر وہ عمل جو عبادت کے طریقہ پر ہے اس کے خلاف کرنے کو

بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ یہ دین میں نئی بات ہے جو مردود ہے اور وہ عمل جو عرف وعادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین ومذہب پر کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے بر خلاف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زبانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ہونا ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنت کو مد نظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۳۱)

بدعت حسنہ بدعت سیئہ : علمائے کرام بدعت کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں ایک بدعت حسنہ یعنی اچھی بدعت اور دوسری بدعت سیئہ یعنی بری بدعت جبکہ امام ربانی اس تقسیم کے قائل نہیں آپ کی نظر میں بدعت صرف سیئہ ہوتی ہے بدعت حسنہ نام کی کوئی چیز نہیں۔

حضرت امام ربانی کے بعض سوانح نگار لکھتے ہیں کہ آپ بدعت حسنہ کو تسلیم فرماتے تھے اور بدعت حسنہ کے قائل تھے مگر ان بدعات کو حسنہ قرار نہیں دیتے تھے جو سنت میں کمی بیشی کر کے ایجاد کی گئی ہو۔ حالانکہ امام ربانی کسی بھی قسم کی بدعت حسنہ کے قائل نہیں تھے خواہ اس میں کسی سنت کی کمی بیشی ہوتی ہو یا نہ ہو وہ کسی بھی قسم کی بدعت کو حسنہ تسلیم نہیں فرماتے تھے بلکہ جو علماء بدعت حسنہ کے قائل تھے ان کا آپ نے اپنے مکاتیب شریفہ میں بار بار رد فرمایا ہے۔ مکتوبات شریف سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جس میں صراحت کیساتھ ہر قسم کی بدعت حسنہ کا آپ کے نزدیک رد اور انکار ثابت ہو رہا ہے۔

(۱) گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہو گا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ متفق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت اور کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کل بدعة ضلالة" ہر بدعت گمراہی ہے۔ اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانہ میں جبکہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے سے وابستہ ہے ہر بدعت کو پھاوڑے کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گراتی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا

ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں راستہ دکھاتی ہے۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۳)

(۲) بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع (اٹھانے والی) ہو گی یا رفع سنت سے ساکت ہو گی ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہو گی جو در حقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے بس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کا خیر اور حسن نہیں ہے۔ ہائے افسوس انہوں نے دین کامل اور پسندیدہ اسلام میں جبکہ نعمت تمام ہو چکی بدعت محدثہ کے "حسنہ" ہونے کا حکم دیا یہ نہیں جانتے کہ اکمال اور اتمام ورضا کے حاصل ہونے کے بعد کوئی نیا کام "حسن" سے کوسوں دور ہے۔ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۱۹)

(۳) علماء نے کہا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین علیہ وعلیھم الصلوۃ والسلام کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور سنت کو رفع نہ کرے، اور بدعت سیئہ وہ ہے جو سنت کی رافع ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت وکدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔

تسامح : بدعت کے بارے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو رائے گرامی اوپر گزری اسے سرسری نظر سے دیکھ کر مختلف مکاتیب فکر کے اہل علم حضرات کو تسامح ہو گیا۔ مثلاً ایک گروہ نے اہل سنت والجماعت میں رائج بہت سے نئے افکار واعمال کا یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ سب ضلالت اور گمراہی ہیں کیونکہ یہ بدعت ہیں اور امام ربانی کی نظر میں ہر بدعت گمراہی ہے ان کے یہاں بدعت حسنہ کا کوئی تصور نہیں۔

جبکہ دوسرا گروہ امام ربانی کی طرف سے بدگمانی کا شکار ہو گیا کہ وہ نئے امور جن کو اکابرین نے "بدعت حسنہ" کہہ کے جائز قرار دیا ہے۔ امام ربانی بدعت حسنہ کا انکار کر کے ان کو ناجائز کیسے قرار دے رہے ہیں؟ یہ فکر تو بظاہر اہل سنت والجماعت کے متفقہ نظریہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

حالانکہ امام ربانی نے بدعت کے متعلق جو تحقیق فرمائی ہے اس کو عمیق نظر سے اگر دیکھ لیا جائے تو دونوں گروہوں کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

اصل صورتحال یہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے اپنے مکاتیب شریفہ میں بدعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث مبارکہ خصوصیت کیساتھ کئی مقامات پر نقل فرمائی ہیں اور بدعت کے بارے میں جو آپ کا نظریہ ہے وہ انہی دو حدیثوں پر مبنی ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد" (مکتوب دفتر اول مکتوب ۱۸۶، بحوالہ بخاری و مسلم) ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز نکالی جو دین میں سے نہیں تو وہ چیز مردود ہے۔ اور دوسری حدیث یہ ہے۔ "فان خیر الحدیث کلام اللّٰہ و خیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة (حوالہ مذکورہ) ترجمہ بیشک سب سے بہتر بات کلام اللہ ہے اور سب سے بہتر سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت ہے اور چیزوں میں سب سے بدتر نئی چیزیں ہیں اور ہر بدعت ضلالت اور گمراہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں احادیث مبارکہ سے ثابت یہ ہوا کہ وہ نئے امور جن کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو اور جن کی اصل قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو وہ مردود ہیں اور انہی نئے امور کے لئے سرکار نے فرمایا ہے کہ سب سے بدترنئی چیزیں ہیں" اور وہ بدعت و گمراہی ہے"۔ حضرت امام ربانی کا بھی بعینہ یہی نظریہ ہے کہ "نئے امور" سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی اصل قرآن و سنت میں موجود نہیں یہی امور محدثات اور بدعات کہلاتے ہیں۔ اور یہی سراسر ضلالت اور گمراہی ہیں۔ جبکہ وہ امور جو بظاہر نئے نظر آتے ہیں لیکن ان کی اصل اگر قرآن و سنت میں موجود ہے تو وہ ہرگز "نئے نہیں" بلکہ وہ تو ارشاد و رسول صلی اللہ علیہ وسلم "خیر الهدی هدی محمد" (بہترین سیرت محمد کی سیرت ہے) میں داخل ہو کر دین کے قدیم اور پرانے اعمال اور افکار اور بہترین امور کہلائیں گے ان کو محدثات یعنی نئی چیزیں یا بدعات اور گمراہی کہنا کسی طرح سے درست نہیں ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے یہ اپنی عمومیت کیساتھ بالکل بجا اور درست ارشاد ہے اور ہر نئی چیز کے بدعت اور اس کی ضلالت پر دال اور شاہد ہے۔ جبکہ وہ نیک اچھے اور بظاہر نئے کام جن کو علماء نے بدعات حسنہ کا نام دیکر ان کے جواز کا قول کیا ہے اور اس حدیث کی عمومیت سے ان کو نکالکر انکا استثنی کیا ہے وہ تمام امور امام ربانی کے نظریہ کی رو سے اس حدیث کے تحت داخل ہی نہیں اور نہ ہی ان کے نزدیک ان امور کو حدیث سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ تو قرآن و حدیث سے ثابت ہونے کے باعث نہ محدثات یعنی نئے ہیں اور نہ ہی وہ بدعت

اور گمراہی ہیں بلکہ "خیر الحدیث کلام اللہ اور خیر الھدی ھدی محمد" میں داخل ہونے کے باعث وہ حدیث کی روسے سراسر ہدایت ہیں اور بہترین اور افضل اعمال ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔

اسی مضمون کی طرف حضرت امام ربانی نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں اشارہ بھی فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"بس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کمر بستہ رہیں اور اصحاب کرام رضی اللہ عنھم کی اقتداء پر کفایت کریں کیونکہ وہ ستاروں کی مانند ہیں جن کے پیچھے چلوگے تو ہدایت پاؤگے۔ لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں کوئی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے بس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ (مکتوبات شریف، دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

اسی نظریہ کی طرف آپ نے اپنے ایک اور مکتوب گرامی میں ایک نئے انداز سے اشارہ فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں :

"بعض لوگ ان محدثات کو امور مستحسنہ جانتے میں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے میں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تمیم ڈھونڈتے میں اور ان امور کے بجالانے میں ترغیبیں دیتے ہیں خدا تعالیٰ انکو سیدھے راستہ کی ھدایت دے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ دین تو ان محدثات سے پہلے مکمل ہو چکا ہے اور نعمت خداوندی پوری ہو چکی ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" بس ان محدثات بدعات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیۃ کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے (مکتوبات شریف دفتر اول ۲۶۰)

یعنی حضرت امام ربانی کی نظر میں جو امور قرآن وحدیث سے ثابت ہوں انکو نیا کہہ کے دین میں داخل کرنا اور انکو مستحسن سمجھنا درحقیقت الیوم اکملت لکم دینکم والی آیت کے خلاف ہے اور اس کے انکار کے مترادف ہے کیونکہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب دین کی تکمیل کا اعلان ہو چکا تو اب کسی نئی چیز کو اس میں داخل کر کے اس کو دین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسوقت دین مکمل نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت اس میں یہ نئی چیز شامل نہیں تھی یہ دین میں اب شامل ہوئی ہے تو معاذ اللہ دین اب مکمل ہوا

ہے۔لہذا ماننا پڑیگا کہ آج جن نئی مستحسن چیزوں کو ہم اچھا سمجھ کران پر عمل کر رہے ہیں وہ در حقیقت نئی نہیں بلکہ قرآن یا حدیث سے ثابت ہونے کے باعث چودہ سو سال پرانی ہیں۔ لہذا ان پر محدثات، یا بدعات کا اطلاق درست نہیں۔ حضرت امام ربانی کا بدعت کے بارے میں یہ جو نظریہ ہے اس کا سب سے بڑا حسن یہ ہے کہ اس کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "کل محدثة بدعة (ہر نئی چیز بدعت ہے) اور "کل بدعة ضلالة (ہر بدعت گمراہی ہے) میں دونوں جملے اپنے عموم پر رہیں گے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں کرنی پڑیگی۔ جبکہ "بدعت حسنہ" کا قول کرنے والوں کو اپنی طرف سے اس میں تخصیص کرنی پڑیگی اور "بدعت حسنہ" کو کل بدعة کے عموم سے نکالنا پڑیگا۔

اس نظریہ کی دوسری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بہت سے بظاہر نئے اعمال جو اہل سنت والجماعت میں رائج ہیں جن کو بعض حضرات بدعت کہہ کے ناجائز یا حرام قرار دے دیتے ہیں حضرت امام ربانی کے اس نظریہ کی رو سے بطور بدعت حسنہ کے نہیں بلکہ بطور سنت اور استحباب کے انکا حسن اور ان کا موجب اجر ہونا ثابت ہو جائیگا جو بدعت حسنہ کے مقابلہ میں کہیں درجہ زیادہ فضلیت کا حامل ہے کیونکہ بدعت خواہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو بہر حال ایک نئی چیز ہے جبکہ سنت اتباع مصطفےٰ کا نام ہے جو" فاتبونی یحببکم اللہ" کے ارشاد کے بموجب مقام محبوبیت تک لیجانے والی ہے۔

مثال کے طور پر زندوں اور مردوں کو طعام و کلام کا ایصال ثواب کرنا، فاتحہ درود، بزرگان دین کے اعراس منانا ان میں حاضری دینا، محفل میلاد مصطفےٰ، مزارات اولیاء کی حاضری اور ان کو ہاتھ لگانا ان پر چادریں چڑھانا، ان کی تعظیم و تکریم کرنا، صاحب مزار سے اکتساب فیض کرنا، ان سے استعانت اور مدد طلب کرنا، نئے مدارس بنانا بڑی بڑی مساجد اور مینار بنانا وغیرہ وغیرہ یہ وہ امور ہیں جو بظاہر نئے معلوم ہوتے ہیں اس ہی لئے بعض حضرات نے انہیں بدعت کہہ کر ان کا انکار کر دیا اور ان کو ناجائز قرار دے دیا۔ لیکن یہ تمام امور اور اعمال حضرت امام ربانی جو بدعت کے سخت مخالف تھے ان کی زندگی میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ (جیساکہ اگلے اوراق میں ان کا ذکر آرہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ ان تمام امور کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے لہذا یہ سب چیزیں امام ربانی کی نظر میں سرے سے بدعت ہی نہیں ہیں بلکہ اتباع سنت کے زمرہ میں داخل ہو کر موجب اجر اخروی اور باعث قرب خداوندی ہیں۔

حضرت امام ربانی کے "نظریہ رد بدعت" کی جو تشریح ہم نے اوپر بیان کی ہے اس کی تصدیق

شیخ محمد مظہر دھلوی کے کلام سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے مقامات سعیدیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ امام ربانی کے نزدیک بدعت حسنہ، سنت میں داخل ہے اور آپ بموجب حدیث "کل بدعۃ ضلالۃ" اس پر بدعت کا اطلاق نہیں فرماتے۔ تو اس بارے میں آپ اور دوسرے علماء کرام کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں صرف نزاع لفظی ہے۔

مکتوبات شریف کے محشی علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی امام ربانی کے نظریہ رد بدعت کی یہی تشریح فرمارہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں امام ربانی کا قول ان علمائے اسلام کے قول کے مخالف نہیں جو بدعت کی دو قسمیں حسنہ اور سیئہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بدعت حسنہ سے ایسی شیء مراد لیتے ہیں جس کی صدر اول میں اصل موجود ہو اگرچہ اشارتاً ہی ہو جیسے مسجدوں کے مینار مدارس دینیہ مسافر خانوں کی تعمیر اور کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب وغیرہ وغیرہ اور بدعت سیئہ سے ایسی چیز مراد لیتے ہیں جن کی صدر اول میں بالکل اصل موجود نہ ہو تو امام ربانی قدس سرہ قسم اول پر بدعت کا نام اطلاق ہی نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے لہذا وہ چیز بدعت اور محدیث نہیں ہے بلکہ آپ بدعت صرف قسم ثانی کو قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ ہی در حقیقت بدعت اور محدث ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے تو علمائے اسلاف اور امام ربانی کے درمیان نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔

طریقہ اتباع : یہ تو ثابت ہو گیا کہ دین و دنیا کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی اور محبوبیت اتباع مصطفےٰ میں مضمر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اتباع مصطفےٰ کیسے کیا جائیگا؟ اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ کیا حضور اکرم ﷺ کے احادیث مبارکہ کو خود پڑھ کر جو مفہوم ہمارے ناقص ذھن میں آئے اس پر عمل کرتے چلے جائیں یا تمام علوم کے ماہر اور نبی کریم ﷺ کے خاص فیض یافتہ، آئمہ مجتہدین نے جو احادیث کے معنی اور مفہوم سمجھ کر ہمیں بتائے ہیں اس کی تقلید کر کے حضور کا اتباع کریں؟ آیئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی پوچھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کونسا طریقہ اتباع صحیح ہے؟ اور کس طریقہ اتباع کو اپنا کر ہم اللہ کے محبوب بندے بن سکیں گے؟ آپ فرماتے ہیں :

(۱) وہ علوم جو کتاب و سنت سے مستفاد ہیں ان میں سے وہ ہی معتبر ہیں جو بزرگانِ اہل سنت نے کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں۔ ورنہ تو ہر بدعتی اور گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کو اپنے زعم فاسد

میں کتاب وسنت سے ہی اخذ کرتا ہے۔ لہذا ایسے لوگوں کی سمجھی ہوئی کوئی بات معتبر نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۱۹۳)

(۲) جس طرح کتاب وسنت کے مطابق عقیدے رکھنا ضروری ہیں اسی طرح ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے لیکن اس طریقہ پر جیسا کہ ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کیا ہے اور کتاب وسنت کے احکام کی تخریج کی ہے جو حلال و حرام فرض وواجب سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ کے متعلق ہے ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرے۔ آدمی جس مجتہد کے تابع ہو گیا ہے اپنے اس مجتہد کے مذہب مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے اجتناب کرے۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۲۸۶)

امام ربانی کے ان ارشادات سے پتہ چلا کہ آپ کی نظر میں اتباع کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی مجتہد کی آدمی تقلید کرے اور اس مجتہد نے کتاب وسنت سے جو احکامات مستنبط کئے ہیں ان پر عمل کرے۔ یہ ہے وہ صحیح اتباع جو کو اختیار کر کے بندہ اللہ کا محبوب بن جائیگا۔ اور اگر خود قرآن وحدیث سے مسائل اور احکامات نکال کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کی تو آدمی گمراہ ہو جائیگا۔

امام اعظم کا اتباع : اب سوال یہ ہے کہ مجتہدین تو امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل وغیرہ بہت سے ہوئے ہیں ہم ان میں سے کس مجتہد کا اتباع کریں اور کس کی تقلید کریں؟ اس کے لئے بھی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہی اتباع سنت کا معیار مقرر فرماتے ہیں کہ امام اعظم اتباع سنت میں سب سے آگے ہیں اسلئے آپکے نزدیک امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب حنفی کا اتباع آپ کی پیروی اور آپ کی تقلید کو دیگر مجتہدین کی تقلید پر ترجیح حاصل ہے اس لئے خود بھی آپ حنفی مذہب کو اختیار فرماتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس مذہب حنفی کی خصوصیات اور محاسن بیان فرما کے اس کی طرف رغبت دلاتے ہیں بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے اس مذہب حنفی کی بدگوئی کرنے والوں کو سخت انداز میں تنبیہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ مکتوبات امام ربانی سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

(۱) عجیب معاملہ ہے کہ امام ابو حنیفہ سنت کی پیروی میں باقی سب ائمہ سے آگے ہیں اور اسی لئے

مرسل احادیث کووہ مسند احادیث کی طرح لائق متابعت جانتے ہیں اور اپنی رائے سے بہر صورت مقدم رکھتے ہیں بلکہ اسی طرح صحابی کے قول کو بھی اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ وہ حضرت خیر البشر علیہ و علیھم الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت کے شرف سے مشرف ہیں اور یہ معاملہ دوسرے ائمہ کے یہاں نہیں ہے۔ اس کے باوجود امام ابو حنیفہ کو ان کے مخالفین صاحب الرائے جانتے ہیں اور انہیں ایسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں جو بے ادبی پر مبنی ہیں حالانکہ وہ سب آپ کے علمی کمال اور تقویٰ وورع سے مالا مال ہونے کے معترف ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے لوگوں کو توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس کو ایذاء نہ پہنچائیں اور مسلمانوں کے سواد اعظم کے دلوں کو نہ دکھائیں وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں۔ وہ جماعت جو اکابر دین کو اصحاب رائے جانتی ہے اگر ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بزرگ اپنی رائے سے حکم دیتے ہیں اور کتاب و سنت کی مطابقت نہیں کرتے تو اس طرح مسلمانوں کا سواد اعظم ان کے زعم فاسد کی رو سے گمراہ اور بدعتی قرار پاتا ہے بلکہ وہ لوگ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جاتے ہیں، یہ عقیدہ نہ رکھے گا مگر وہ جاہل جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا زندیق ایسا عقیدہ رکھے گا جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے بعض نیم ملا چند حدیثیں یاد کر کے شرعی احکام کو انہیں پر منحصر ٹھیرا لیتے ہیں اور جو چیزیں ان کی معلومات سے باہر ہیں ان کی نفی کر دیتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم مکتوب ۵۵)

(۲) حاسدوں کے بیجا تعصب اور فاسد نظر پر افسوس ہزار افسوس۔ امام ابو حنیفہ فقہ کے بانی ہیں تین چوتھائی فقہ انکے لئے مسلم ہے جبکہ باقی ائمہ ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں فقہ میں صاحب خانہ ابو حنیفہ ہیں اور باقی سب ان کے بال بچے ہیں، باوجود اس کے کہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی سے بہت محبت ہے اور انہیں بزرگ چاہتا ہوں اسی لئے نفلی کاموں میں ان کی تقلید کر لیتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے ائمہ مجتہدین کو وافر علم اور کمال تقوی کے باوجود امام ابو حنیفہ کے سامنے بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔ بغیر تکلف کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب حنفی کی نوانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی کچھ نظر آتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا سواد اعظم متبعین امام ابو حنیفہ پر مشتمل ہے علیھم الرضوان اور پیروکاروں کی کثرت کے علاوہ یہ مذہب حنفی اصول وفروغ میں باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباط مسائل میں اس کا طریقہ کار ہی نرالا ہے اور یہ اس کے برحق

ہونے کی دلیل ہے۔(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵۵)

کل جب حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو امام ابو حنیفہ کے مذہب کی طرح عمل کرینگے۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ فصول ستہ میں فرماتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے لئے یہی بزرگی کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبران کے مذہب کے مطابق عمل کرے دوسری فضیلتیں بھی اس ایک فضیلت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ (مبداء و معاد، مطبوعہ کراچی ۵۵)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان ارشادات سے پتہ چلا کہ آپ کی نظر میں چند حدیثیں یاد کر کے ان پر عمل کرنے کا نام اتباع مصطفےٰ نہیں بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ جو آپ کی نظر میں دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس، اور اللہ کا نور ہیں پر جو کمال تقویٰ وورع سے مالا مال ہیں، جو فقہ کے بانی ہیں، جو فقہ میں صاحب خانہ ہیں اور باقی سب ائمہ ان کے بچے ہیں، جو سنت کے اتباع میں باقی تمام ائمہ سے آگے ہیں ان کی پیروی اور تقلید کرنا اور ان کے مذہب حنفی کو اختیار کرنا جو آپ کے نزدیک نورانیت کے دریا کے مانند ہے۔ مسلمانوں کا سواد اعظم جس کا پیروکار ہے، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دنیا میں تشریف لائینگے تو وہ بھی اسی مذہب حنفی کے مطابق عمل فرمائیگے۔ ایسے برحق مذہب پر عمل کرنا ہی درحقیقت "اتباع مصطفےٰ" کہلاتا ہے۔ اور اس مذہب حنفی کو اختیار کر کے امام اعظم ابو حنیفہ کے دامن کو تھام کر جو اتباع مصطفےٰ کریگا وہ ہی آپ کے نزدیک اللہ کا محبوب اور مقرب بنے گا اور وہی درحقیقت "متبع رسول" اور نبی کا اتباع کرنے والا کہلائے گا۔

خواجہ بہاؤالدین نقشبند کا اتباع : حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اتباع سنت" کو معیار بناتے ہوئے فقہی مذاہب میں حنفی مذہب کو ترجیح دی اور اس کو اختیار فرمایا کہ اس کے بانی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اتباع سنت" میں تمام ائمہ سے آگے ہیں اسی "اتباع سنت" کو اپنا معیار بناتے ہوئے آپ نے سلاسل طریقت میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو اختیار فرمایا بلکہ اس سلسلہ کو اتباع سنت کی خصوصیت کے پیش نظر دیگر سلاسل پر فوقیت اور ترجیح دی اور ان سے اس سلسلہ کو افضل قرار دیا۔ چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں: "کہ آپ مشائخ نقشبندیہ کے طریقہ کو اندراج النہایہ فی البدایہ کے تعلق کی بنا پر بعینہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کا طریقہ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طریقہ کے لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ یہ نسبت نقشبندیہ تمام

نسبتوں سے اعلیٰ ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ سنت کی پیروی اور عزیمیت کی رعایت کے لحاظ سے دوسرے تمام طریقوں سے بڑھا ہوا ہے اسی لئے لازماً اس کی نسبت بھی تمام طریقوں کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہے۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۹۱)

مکتوبات شریف میں ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں۔ "اور چونکہ صوفیاء کے طریقے کمال تکمیل کے مراتب میں متفاوت ہیں اسلئے ایسے طریقہ کا اختیار کرنا جس میں سنت سنیہ کی متابعت زیادہ لازم اور احکام شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو، بہت ہی زیادہ ضروری اور مناسب ہے۔ اور وہ طریقہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرھم کا طریقہ ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے اس طریقہ میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۴۳)

درجات اتباع : حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سات درجے اور آپ کی متابعت کے سات مراتب بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ مکتوبات شریف میں آپ اس پر تفصیل سے بحث فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں : "رسول اللہ ﷺ کی متابعت جو کہ دینی اور دنیوی سعادتوں کا سرمایہ ہے اس کے کئی مراتب و درجات ہیں"

پہلا درجہ : پہلا درجہ عام مسلمانوں کا ہے جو کہ شریعت کے احکام اور سنت سنیہ کی متابعت سے وابستہ ہیں۔ جس کے ساتھ تصدیق قلب تو ہو لیکن اطمینان نفس نہ ہو، کیونکہ اطمینان نفس یہ درجہ ولایت کیساتھ تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا درجہ : متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال کا وہ اتباع ہے جس کا تعلق باطن سے ہے اس میں تہذیب اخلاق اور رذیل صفات کی مدافعت اور امراض باطنی اور معنوی بیماریوں کا ازالہ ہوتا ہے جو کہ طریقت سے تعلق رکھتا ہے۔ اتباع کا یہ درجہ ان ارباب سلوک کیساتھ خاص ہے جنہوں نے صوفیاء کے طریقہ کو اپنے شیخ سے حاصل کیا ہو اور وہ سیر الی اللہ کی طرف رواں دواں ہوں۔

تیسرا درجہ : متابعت کا تیسرا درجہ درحقیقت آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے

احوال، اذواق اور مواجید کی متابعت ہے۔ یہ درجہ ولایت خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ اب ولایت کا مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو نفس مطمئنہ ہو گیا۔ وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز آگیا اب متابعت کی جو بھی کوشش ہو گی وہ حقیقی متابعت ہو گی اگر نماز بھی ادا کریگا تو متابعت کی حقیقت بجالائیگا اور اگر روزہ ہے تو اس کا بھی یہی حال ہے یعنی مبتدی کا نفس جب تک امارہ ہے جو اصل میں آسمانی احکام کا منکر ہے ایسے احکام شرعیہ کی ادائیگی صورت کے اعتبار سے ہو گی اور منتہی کا نفس جب مطمئنہ ہو جاتا ہے اور شریعت کے احکام کو برضاء ورغبت قبول کرلیتا ہے تو اس سے ان احکام کی ادائیگی حقیقت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

چوتھا درجہ : متابعت کا چوتھا درجہ وہ ہے کہ پہلے درجے میں اس کی صورت تھی اب اس درجہ میں اس اتباع کی حقیقت ہے اور یہ چوتھا درجہ اتباع علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے جو نفس کے اطمینان کے بعد حقیقت متابعت کی دولت سے متصف ہیں اولیاء اللہ کو اگرچہ تمکین قلب کے بعد ایک قسم کا اطمینان نفس حاصل ہو جاتا ہے لیکن کمال اطمینان نفس یہ صرف کمالات نبوت سے ہے جو صرف علمائے راسخین کو بطریق وراثت انبیاء کے ان کمالات سے حصہ ملتا ہے۔ اور وہ ہی صحیح معنوں میں "کمالِ اطمینان نفس" کے ذریعہ حقیقت اتباع سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

پانچواں درجہ : متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا اتباع ہے ان کمالات کے حصول میں علم و عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر موقوف ہیں۔ یہ بہت ہی اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔ پہلے مراتب، اور درجات کو اس مرتبہ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ یہ کمالات انبیاء علیھم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی تبعیت اور وراثت کے طور پر جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمادیں۔

چھٹا درجہ : متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنحضرت ﷺ کے مقام محبوبیت کے ساتھ خاص ہیں یہ بھی خدا کے فضل واحسان پر موقوف ہیں۔ اس درجہ میں آنحضرت کے کمالات کا فیضان صرف محبت سے ہے جو احسان و فضل سے بھی بلند ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بہت کم لوگوں کو ملتا ہے۔

ساتواں درجہ : متابعت کا یہ درجہ نزول وھبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور سابقہ تمام درجات کا جامع

ہے، اس مقام میں پہنچ کر تابع اپنے متبوع سے اس طرح کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ گویا متابعت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کا امتیاز دور ہو جاتا ہے۔ بس اتنا ہے کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کے کمالات کا وارث جانتا ہے۔

کامل اتباع یہ ہے کہ ان سات درجات میں پوری طرح متابعت سے آراستہ ہو اور جو بعض درجات میں تو متابعت رکھتا ہو لیکن بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو وہ فی الجملہ یعنی تھوڑا بہت متابع کہلائیگا کامل متابع نہیں کہلائیگا۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب نمبر ۵۴)

کامل اتباع : حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے اس مکتوب گرامی کی روشنی میں اگر آپ کی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو آپ کی پوری زندگی آنحضرت ﷺ کے اتباع میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان اتباع کے ساتوں مدارج و مراتب میں سے اولیائے کاملین اور علمائے راسخین کیساتھ جو مدارج و مراتب مختص ہیں وہ تمام اتباع کے مراتب و مقامات آپ کی حیات طیبہ میں جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آیئے اس کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھتے ہیں اور اس سے امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام قرب اور آپ کے مقام محبوبیت کا اندازہ کرتے ہیں۔

عبادات میں اتباع : آپ کی عبادات اتباع مصطفےٰ ﷺ کا کامل نمونہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اتنی کثرت کیساتھ عبادات فرمائیں کہ آپ کے صحابہ کو کہنا پڑا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی زندگی کو گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ آپ تو معصوم ہیں پھر اسقدر عبادات کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! افلا اکون عبداً شکوراً "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں"

حضرت امام ربانی بھی اپنے محبوب نبی کا اتباع کرتے ہوئے اس کثرت کے ساتھ عبادات فرمایا کرتے تھے کہ دن اور رات کا اکثر حصہ آپ کا عبادات میں صرف ہوتا تھا۔ حتی کے حضرت مخدوم محمد ہاشم فرماتے ہیں کہ آپ کے وضو مصلے اور عبادات سے متعلق دیگر امور کے انتظامات جس درویش کے سپرد تھے وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ سارے دن میں صرف قیلولہ کے وقت اور ساری رات میں صرف رات کے دوسرے تہائی حصہ میں تھوڑی دیر کے لئے مجھے فرصت ملتی تھی ورنہ ان دو وقتوں کے علاوہ آپ کو میں ہر وقت عبادات میں مصروف پاتا تھا۔

(۲) اس وقت کے قاضی القضاۃ جو حضرت امام ربانی کے پڑوسی تھے ان سے امرائے وقت میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت امام ربانی کے متعلق ان کے معتقدین بڑی بڑی باتیں سناتے ہیں۔ جبکہ آپ ان کے پڑوس میں رہتے ہیں اور خود بھی آپ بڑے دیانتدار اور قول کے سچے ہیں لہذا آپ فرمائیے کہ وہ کیسے آدمی ہیں ؟ قاضی القضاۃ نے کہا کہ جب میں گزشتہ اولیائے کرام کے حالات سنتا اور پڑھتا تھا کہ وہ ایسی ایسی ریاضتیں اور اتنی اتنی عبادتیں کرتے تھے تو میں سوچتا تھا کہ اتنی عبادتیں کون کر سکتا ہے یہ ان اولیائے کرام کے عقیدتمندوں نے صرف ان کی عقیدت و محبت میں ایسا لکھ دیا ہے لیکن جب میں نے حضرت امام ربانیؒ کی عبادات کی کثرت اور زیادتی کو دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی ان اولیائے کرام کے لئے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب صحیح ہے بلکہ یہ اپنے رب کی جس کثرت سے عبادات کرتے ہیں ان کے متعلق جو کچھ کتابوں میں لکھا گیا ہے وہ بھی کم ہے (زبدۃ المقامات ص ۲۷۷)

وضو میں اتباع : جب آپ وضو فرماتے تو عین سنت کے مطابق قبلہ رو بیٹھتے، بائیں ہاتھ میں لوٹا پکڑ کے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔ پھر بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو ملا کر دھوتے اور ہاتھ کی انگلیوں میں ہتھیلی کی طرف سے خلال فرماتے، کلی کے وقت مسواک ضرور فرماتے اور چونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ اللہ وتر ہے اور عدد طاق کو پسند کرتا ہے اسلئے ہر معاملہ میں آپ اس کا خیال رکھتے تھے حتیٰ کے مسواک کے استعمال میں بھی اس کا خیال رکھتے ہوئے دائیں طرف تین بار پھر بائیں طرف تین بار مسواک فرماتے تھے۔ اور جیسا کہ بعض احادیث میں کان پر رکھنے کی روایت بھی آئی ہے اسلئے اسپر عمل کرتے ہوئے مسواک کر کے کاتب قلم کی طرح مسواک کو کان کے اوپر لگا لیتے تھے۔ اور کبھی کسی خادم کو رکھنے کے لئے دے دیا کرتے تھے۔ پورے وضو کے دوران آپ کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا تھا لیکن جوں ہی آپ پاؤں مبارک دھوتے تھے تو اسوقت شمال یا جنوب کی طرف اپنا رخ مبارک پھیر لیا کرتے تھے اس میں بھی آپ کے مطمح نظر حضور کی ان احادیث کا اتباع ہوتا تھا جن میں قبلہ کے ادب کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا آپ اپنے پاؤں کو قبلہ کی طرف کرنا سوئے ادب سمجھتے تھے اسلئے پاؤں دھوتے وقت شمال یا جنوب کی طرف پھر جاتے تھے تاکہ پاؤں قبلہ کی طرف نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ حضور کو ہر کام دائیں طرف سے کرنا پسند تھا اسلئے اس سنت کا وضو میں اس طرح خیال رکھتے تھے کہ جب وضو میں منہ دھوتے تھے تو پہلے دائیں طرف کے رخسار پر پانی بہاتے پھر بائیں طرف کے رخسار پر پانی بہاتے تھے تاکہ چہرہ

کے دھونے کی ابتداء دائیں طرف سے ہو جائے۔ وضو کے بعد جو دعائیں منقول ہیں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر ان دعاؤں کو پڑھتے اور پھر پاک صاف کپڑے پہن کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

نماز میں اتباع: جو جو نمازیں احادیث میں حضور سے منقول ہیں وہ تمام اداء فرماتے اور اسی طریقہ اور انداز سے فرماتے جس طرح آنحضرت ﷺ نے ادا فرمائی ہیں مثلاً وضو کے بعد نماز تحیۃ الوضو ادا فرماتے۔ جب بھی مسجد میں داخل ہوتے تو نماز تحیۃ المسجد ادا فرماتے، فرض نمازوں اور موکدہ سنتوں کے ساتھ جو جو غیر مؤکدہ سنتیں اور نوافل احادیث میں منقول ہیں وہ آپ تمام کے تمام بڑی پابندی سے ادا فرماتے حتیٰ کہ سفر کے دوران جب تھکاوٹ محسوس ہوتی تھی تب بھی ان نوافل کو ترک نہیں کرتے تھے۔ جب بھی کوئی چھوٹا موٹا اہم کام در پیش ہوتا تو آپ نماز استخارہ ادا فرماتے۔ تہجد کی نماز پابندی سے ادا فرماتے اور وہ بھی دو نیندوں کے درمیان ادا فرماتے تاکہ حضور کا کامل اتباع ہو جائے۔ "وتر" کبھی تو عشاء کی نماز کے ساتھ ہی ادا فرماتے تھے اور کبھی تہجد کی نماز کے ساتھ ادا فرماتے تھے اس میں بھی اتباع رسول ہی آپ کے پیش نظر ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے خود تحریر فرمایا کہ وتر کے جلد یا دیر پڑھنے میں سید البشر ﷺ کی متابعت کے سواء اور کوئی چیز پیش نظر نہیں اور کسی فضیلت کو متابعت کے ہم پلہ قرار نہیں دیتا ہوں۔ چونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے وتر کو کبھی اول شب میں اور کبھی آخر شب میں ادا فرمایا ہے اسلئے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ کسی امر میں آنسرور ﷺ سے تشبہ اختیار کر لوں اگرچہ وہ تشبہ صورت ہی کے اعتبار سے کیوں نہ ہو۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۸۵)

تہجد کی نماز کی ادائیگی میں بھی اتباع کا اتنا پاس ہوتا تھا کہ قیام کو بہت طویل فرمادیا کرتے تھے، حضرت علامہ بدر الدین فرماتے ہیں کہ نماز میں قیام آپ کا اتنا لمبا ہوتا تھا کہ اس میں تقریباً قرآن پاک کے تین پارے پڑھ لئے جائیں۔ آنحضرت ﷺ کی طرح کبھی ایک ہی رکعت میں پوری رات گزر جاتی تھی حتیٰ کہ جب خادم عرض کرتا کہ حضور صبح ہونے والی ہے تو دوسری رکعت اختصار سے ادا فرما کے سلام پھیر لیا کرتے تھے۔

فجر کی سنتیں اتباع مصطفےٰ میں گھر کے اندر ادا فرماتے پھر مسجد میں باجماعت نماز فجر ادا فرماتے نماز سے فراغت کے بعد بعض مسنون دعائیں پڑھتے اور سنت کے مطابق مقتدیوں کی جانب دائیں طرف مڑ کر بیٹھتے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے اور دعا کے بعد دونوں ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیا کرتے

تھے (حضرات القدس ۸۹)

نماز کے بعد اتباع مصطفےٰ میں اسی مقام پر بیٹھ کے ذکر و فکر میں مصروف ہو جاتے اور قراء کرام سے قرآن پاک کی تلاوت سماعت فرماتے تھے۔ پھر نماز اشراق ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح جب ضحوۂ کبریٰ ہو جاتا تو نماز چاشت خلوت میں ادا فرماتے سنت زوال بھی ادا فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت رسالت مآب علیہ السلام نے بعثت کے زمانے سے رحلت تک سنت زوال کو کبھی ترک نہیں فرمایا۔ جب چاند گرہن اور سورج گرہن ہوتا تو نماز کسوف اور نماز خسوف بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے بیس رکعت ادا فرمائیں اس لئے آپ بھی پوری بیس رکعت نماز تراویح بڑی پابندی سے ادا فرماتے۔ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں۔ مغرب کی نماز میں فرض اور دو سنتوں کے بعد چھ رکعت سنت اوابین ادا فرماتے۔ نماز کو ہمیشہ اول وقت میں ادا کرنا اور مکمل تعظیم و توقیر خشوع و خضوع اور اس کے تمام آداب کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا یہ آپ کی ایسی کرامت تھی کہ صرف اسے دیکھ کر بہت سے لوگ تو آپ کے معتقد اور مرید ہو گئے۔ اور آپ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ ریاضات و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت و مجاھدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں۔ فرض نمازوں کے بعد آپ کوئی لمبی چوڑی دعا نہیں فرماتے تھے کیونکہ احادیث میں اس کا ذکر نہیں بلکہ صرف آپ یہ دعا فرماتے تھے "اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذالجلال و الاکرام" اس دعا میں متابعت نبی کریم اور اتباع سنت کا آپ کو اسقدر پاس تھا کہ وتعالیت وغیرہ کے الفاظ کا بھی اضافہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ حضور اکرم علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔ (حضرات القدس ص ۸۷ تا ۱۰۰ / زبدۃ المقامات ۲۷۴ تا ۲۹۴)۔

معمولات میں اتباع : آپ کے روز و شب کے معمولات بھی اتباع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہوتے تھے۔ مثلاً فجر کی سنت اور فرض کے درمیان "سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم" کا ورد فرماتے نماز اشراق کے بعد گھر جا کر اہل خانہ کی خبر گیری کرتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے۔ صبح اپنے مخلصین کیساتھ بیٹھ کر ان کے احوال باطنی پوچھتے اور ان کی روحانی تربیت فرماتے، دوپہر کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے اور رات کے ایک تھوڑے سے حصہ میں اتباع سنت کا خیال کرتے ہوئے آرام فرماتے بعض عابدین جو ساری رات جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے

آپ ان پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مجھے ان کی کوتہ اندیشی پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ رات کو کچھ دیر آرام ترک کر کے سنت کو چھوڑ رہے ہیں آپ فرماتے تھے کہ ان کی ہزاروں شب بیداریوں کو ہم آدھی متابعت کے عوض بھی نہیں خریدتے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنت البقیع جایا کرتے تھے اس لئے اس سنت پر عمل کرتے ہوئے آپ بھی زیارت قبور کے لئے جاتے بالخصوص اپنے والد گرامی اور پیر دستگیر کے مزارات پر ضرور حاضری دیتے اور ان کے مزارات پر ہاتھ لگا کے اس سے برکت حاصل کرتے۔ چونکہ تلاوت قرآن کی احادیث میں بڑی فضیلتیں آئی ہیں اس لئے اکثر تہجد کی نماز کے دوران اور صبح اشراق کے بعد تلاوت قرآن ضرور فرمایا کرتے تھے۔ حتی کے سفر میں جب آپ ہوتے تھے تو خاموش نہیں بیٹھتے تھے بلکہ قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے اور جیسے ہی کوئی سجدہ کی آیت آتی تھی فوراً سواری سے اتر کر زمین پر سجدہ تلاوت ادا کر لیا کرتے تھے۔ اتباع مصطفےٰ میں حافظوں سے قرآن کی تلاوت کروا کے اس کی سماعت کیا کرتے تھے۔

چونکہ علم دین کے پڑھنے اور پڑھانے کی احادیث میں بڑی فضیلتیں آئی ہیں اس لئے آپ اپنے مخلصین کو ہمیشہ تحصیل علم کا شوق دلاتے رہتے تھے۔ اور خود تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، مشکوٰۃ، ھدایہ وغیرہ طلبائے کرام کو پڑھایا کرتے تھے، علامہ بدر الدین فرماتے ہیں کہ نوجوانی کے زمانہ میں اکثر غلبہ حال کی وجہ سے میں پڑھنے میں کوتاہی کر جاتا تھا تو آپ بڑے پیار سے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ سبق لاؤ اور پڑھو کیونکہ جاہل صوفی شیطان کا کھلونا ہوتا ہے۔

کلمہ شریف پڑھنے کے بھی احادیث میں بڑے فضائل آئے ہیں اس لئے آپ کثرت سے اس کا ورد بھی فرمایا کرتے تھے اور اپنے مخلصین کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ اس کے متعلق آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ کلمہ تمام کمالات ولایت و نبوت کا جامع ہے لوگ تعجب کرتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے کہنے سے کس طرح جنت کا داخلہ میسر ہوگا؟ مگر اس فقیر کو محسوس ہوا اور مشاہدہ میں آیا کہ اگر تمام عالم کو اس ایک کلمہ کے کہنے پر بخش دیا جائے اور جنت میں بھجدیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اگر اس کلمے کی برکات کو تقسیم کر دیں تو تمام عالم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معمور اور سیراب ہو جائے۔ آپ فرماتے تھے کہ دنیا میں کوئی ایسی آرزو نہیں جو اس کے برابر ہو کہ کسی گوشہ میں بیٹھ کر اس کلمہ کی تکرار سے لذت حاصل کی جائے لیکن کیا کروں تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں۔

سنت پر عمل کرتے ہوئے نماز عشاء ادا کر کے جلدی خوابگاہ کی طرف تشریف لیجاتے اور

جلد استراحت فرما ہو جاتے۔ تاکہ رات کو تہجد کے لئے اٹھنے میں آسانی ہو جائے لیٹنے سے پہلے جتنی دعائیں احادیث میں آئی ہیں سب پڑھتے۔ چونکہ احادیث میں درود شریف پڑھنے کے بڑے فضائل آئے ہیں اس لئے آپ شب جمعہ میں مریدین کیساتھ بیٹھ کر ایک ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے۔

نیا کپڑا پہننے، کھانا کھانے، پانی پینے، آئینہ دیکھنے، گھر سے باہر نکلنے، مسجد میں داخل ہونے، الغرض جس موقعہ کے لئے جو دعائیں احادیث مبارکہ میں آئی ہیں وہ ان مواقع پر ضرور پڑھتے۔ حتی کہ بیت الخلا میں جاتے تو اتباع نبی کریم ﷺ کرتے ہوئے داخل ہونے کے وقت بایاں قدم اور نکلتے وقت پہلے دایاں قدم باہر نکالتے تھے اس موقعہ کے لئے جو دعائیں حضور سے منقول ہیں ان کو پابندی سے پڑھتے۔

چونکہ احادیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ کے سفر کے لئے پیر اور جمعرات کے دن کا تذکرہ آیا ہے اس لئے اتباع مصطفیٰ میں آپ بھی سفر کے لئے انہی دنوں کا انتخاب فرمایا کرتے تھے اور دوران سفر جتنی دعائیں حضور سے منقول ہیں وہ سب آپ پڑھا کرتے تھے۔

الغرض آپ کی زندگی کے تمام معمولات آپ کا آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا ملنا جلنا ہر چیز اتباع مصطفیٰ ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی تھی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ سب حضور کے اتباع کے صدقہ میں ملا ہے اور جو کچھ نہیں ملا وہ اسی لئے نہیں ملا کہ بمقاضہ بشریت ہم سے اتباع میں کچھ کمی رہ گئی ہو گی۔ چنانچہ اس کی مثال دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک دن سہوا بھولے سے بیت الخلا میں داخل ہوتے ہوئے ہم نے پہلے دایاں قدم رکھ دیا تو اس دن کئی روحانی احوال ہم پر بند ہو گئے۔ جب ندامت اور توبہ کی تو پھر حالات معمول پر آئے۔ (حضرات القدس ۲/ ۱۶۴ ا، زبدۃ المقامات ص ۲۴۷) ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے کمال اتباع کی وجہ سے مجھے ایسے مقام سے سرفراز کیا گیا جو "مقام رضا" سے بھی بلند و بالا ہے۔ (حضرات القدس ۲/ ۸۴)

کھانے پینے میں اتباع: آپ کا کھانا پینا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے اور کھانا کھانے کے لئے سنت کے مطابق کبھی تو بائیں زانوں کو لٹا کر اور کبھی دونوں زانوں کو کھڑا کر کے کھانا تناول فرما

کرتے تھے۔ اور نوالہ تین انگلیوں سے بناتے تھے۔ اور کھانے کے بعد جو دعائیں حضور سے منقول ہیں وہ پڑھا کرتے تھے اور دوپہر کے کھانے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ کبھی بھوک لگتی اور کچھ نوش فرمالیتے تو اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ کیا کیا جائے آخری عمر کے تقاضے کی بنا پر بھوک کی حالت میں سرور دین و دنیا ﷺ کا کامل اتباع میسر نہیں ہوتا (زبدۃ المقامات ص ۲۸۲) بہر حال حتی الامکان کھانے پینے میں حضور کی متابعت کا آپ کامل خیال رکھتے تھے چنانچہ جتنی بھوک ہوتی اس سے کم کھانا تناول فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ریاضت کے معنیٰ بھوکے رہنا اور روزے رکھنا ہے حالانکہ کھانے میں میانہ روی اختیار کرنا یہ دوام روزہ سے زیادہ مفید ہے کیونکہ جب مزید کھانا سامنے رکھا ہو تو آدھی بھوک تک کھانا اور پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا یہ بہت بڑی ریاضت ہے اور ان لوگوں کی ریاضت سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ ان لوگوں نے تو کھانا دیکھا ہی نہیں اور باز رہے جبکہ یہ لوگ اس میں سے چکھ کر پھر باز رہے۔ (حضرات القدس ص ۱۶۶)

اعتکاف میں اتباع : اعتکاف میں عزلت نشینی ہوتی ہے جو ایک بہت بڑی ریاضت ہے اور بڑے بڑے اولیائے کرام نے اس عزلت نشینی کے ذریعہ بڑے بڑے ارفع و اعلیٰ مقامات حاصل کئے ہیں لیکن آپ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جب اعتکاف فرمایا کرتے تھے تو آپ اسے ریاضت و مجاہدہ سمجھ کر نہیں بلکہ صرف اتباع مصطفیٰ سمجھ کر اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور اپنے ساتھ اعتکاف میں بیٹھنے والوں کو بھی اسی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اس بیٹھنے میں سوائے حضور ﷺ کی اتباع کے اور کسی چیز کی نیت نہ کرنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہمارا تبتل اور انقطاع اور ہماری عزلت نشینی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ایک متابعت کے حصول کے عوض ہمیں سینکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں لیکن ہزاروں عزلت نشینیاں توسل اور اتباع رسول ﷺ کے بغیر ہمیں قبول نہیں پھر آپ یہ شعر پڑھتے تھے۔

آں را کہ در سرائے نگار یست فراغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

(ترجمہ : دوست کے ساتھ جو ہے وہ فارغ ہے باغ و بوستان اور لالہ زار سے)

اوصاف و شمائل میں اتباع : آپکے اوصاف و شمائل اور عادات و خصائل سیرت مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم تھے۔ صبر، شکر، رضا، تواضع، انکساری، تحمل وبردباری، عفو ودرگذر، حیاء پاکدامنی، شجاعت وبہادری، صداقت وامانت داری الغرض ایک ایک وصف اور خلق میں آپ اس صاحب خلق عظیم علیہ کے اخلاق حسنہ کی تابانیوں سے جگمگا رہے تھے۔ اور ان اوصاف واخلاق میں بھی اتباع رسول سے مستفیض ومستنیر تھے۔ آیئے چند اوصاف وصفات میں آپکے اتباعِ رسول علیہ کی جھلک دیکھتے ہیں۔

صبر ورضا: صبر کے معنی ہیں کہ زندگی میں کیسے ہی غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹیں لیکن پیشانی پر شکن نہ آنے پائے اور انسان تمام دکھ اور غموں کو خندہ جبینی سے برداشت کرلے اور اپنے رب کی رضا میں راضی رہے۔ یہ صفت بتمام وکمال ہمیں آنحضرت علیہ کی سیرت مقدسہ میں نظر آتی ہے کہ آپکی صاحبزادی حضرت زینب وفات پاگئیں ہیں ان کا جنازہ دفن کے لئے قبر کے سامنے رکھا ہوا ہے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں لیکن زبان پر کوئی کلمہ شکایت نہیں آپ کے دونوں صاحبزادوں طیب وطاہر یکے بعد دیگرے وصال فرماجاتے ہیں لیکن زبان پر کوئی شکوہ شکایت نہیں، حتی کہ ایک صاحبزادے جن کانام ابراہیم تھاان کے وصال پر جب آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہوگئے اور صحابہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیابات ہے تواس کے جواب میں آپ نے صرف اتنا فرمایا۔ **ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا مایرضی ربنا وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون** (صحیح بخاری کتاب الجنائز) ترجمہ: آنکھیں اشک ریز ہیں دل غمگین ہے لیکن ہم وہ ہی کہیں گے جس میں ہمارے رب کی رضا ہو اے ابراہیم تیرے فراق میں ہم بہت غمگین ہیں۔

یہ ہی شان حضرت امام ربانی کی بھی نظر آتی ہے کہ غم والم کے طوفانوں میں بھی آپ نے صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہجوم لاآم میں بھی آپ رب کی رضا میں راضی رہے۔ اور اس کا نظارہ لوگوں نے اس وقت دیکھا جب آپ کے دو کم سن صاحبزادے محمد فرخ اور محمد عیسیٰ نے مرض طاعون میں یکے بعد دیگرے وفات پائی اور اسی سال آپ کی سات سالہ صاحبزادی ام کلثوم نے آپ کو داغ مفارقت دی، جبکہ ان تینوں کا کم سنی کے اندر روحانیت میں اتنا بلند مقام تھا کہ جب مرض طاعون میں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ دونوں بیمار ہوئے تو دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا گیا لیکن جب محمد عیسیٰ کی وفات ہوئی تو محمد فرخ کو بغیر کسی کے بتائے اپنے بھائی کی وفات کا علم ہو گیا اور وہ فرمانے لگے کہ اے

اے میرے بھائی آپ نے مجھ سے بہت بے وفائی کی کہ مجھ سے پہلے ہی چلے گئے۔ لوگوں نے پوچھا کے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں آپ نے فرمایا اپنے بھائی محمد عیسیٰ کے لئے کہہ رہا ہوں جو رحلت کرنے میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو اندر ہیں آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ملائکہ انکو غسل دے رہے ہیں۔ (حضرات القدس ۳۱۸) اسی طرح دوسرے صاحبزادے محمد عیسیٰ کی بھی شان ایسی ہی تھی کہ ایک حاملہ عورت نے پوچھا کے بتائیے میرے یہاں لڑکا ہوگا یا لڑکی آپ نے فرمایا لڑکی پیدا ہو گی۔ چنانچہ آپ نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہوا اور اس عورت کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی بعض عورتوں نے ہنذاقاً آپ سے آکر کہا کہ آپ تو کہہ رہے تھے بچی ہو گی وہ تو بچہ ہوا ہے آپ نے فرمایا میں نے اس عورت کے پیٹ میں بچی دیکھی تھی۔ بچہ ہر گز پیدا نہیں ہو سکتا (حضرات القدس ۳۱۸) اللہ اکبر جن کے روحانی کمال کا یہ عالم ہو ایسے باکمال بچے جب فوت ہوئے ہونگے تو باپ کے دل پر کیا بیتی ہو گی، لیکن صد آفرین کہ آپ کی زبان پر کوئی شکایت کا کلمہ نہیں آیا۔ اس سے بھی بڑا صبر کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب آپ کے جواں سال صاحبزادے خواجہ محمد صادق آپ کو داغ مفارقت دے گئے، جنکی علم ظاہر کی شان تو یہ تھی کہ معقولات و منقولات کی بڑی بڑی کتب کی جب آپ تقریر کرتے تھے تو علماء ششدر رہ جایا کرتے تھے اور علم باطن کا یہ مقام تھا کہ آپ کو کشف صدر اور کشف قبور پر کامل عبور حاصل تھا۔ کسی کے دل میں کوئی خیال آتا تو بیان فرمادیا کرتے تھے اور قبر پر کھڑے ہو کے قبر والوں کے احوال بیان فرمادیا کرتے تھے۔ جن کے لئے خود امام ربانی نے اپنے ایک مکتوب میں یہ الفاظ تحریر فرمائے کہ میرا یہ سب سے عزیز فرزند میرے معارف کا مجموعہ اور جذب و سلوک کے مقامات کی کتاب ہے۔ یہ محرمان اسرار میں سے ہے اور خطاء و غلطی سے محفوظ ہے۔ (زبدۃ المقامات ص ۴۰۸)

ایسا کامل و اکمل فرزند عین عالم شباب میں راہی ملک بقا ہو کر آپ کو محزون واشکبار کر گیا لیکن آفرین ہے کہ اس وقت بھی آپ کی زبان پر بجائے شکوہ شکایت کے شکر کے کلمات جاری تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے اس مکتوب سے لگائیے جو آپ نے مولانا محمد صالح لاہی کو اپنے تینوں صاحبزادوں کے انتقال کے سلسلہ میں تحریر فرمایا۔ آپ نے انکو لکھا کہ: "میرے سب سے بڑے فرزند رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہ

راجِعُون " اللہ پاک کا بے حد شکر و احسان ہے کہ اس نے باقی ماندہ لوگوں کو صبر کی قوت عطا فرمائی اور پھر مصیبت کو نازل فرمایا"۔

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود زعزیزاں تحمل و زاری

(ترجمہ) "تو لاکھ مجھ کو ستائے پر تجھ سے منہ نہیں پھیروں گا مجھے تو تحمل اور رونا اچھا لگتا ہے"

میرا یہ فرزند اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا اس نے ۲۴ سال کی عمر میں وہ پایا جو بہت کم کسی نے پایا ہو گا اس نے مولویت کا درجہ اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی تدریس حد کمال تک پہنچادی تھی یہاں تک کہ اس کے شاگرد بھی بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کا درس پوری قدرت کے ساتھ دیا کرتے تھے اور اس کی معرفت و عرفان کی حکایتیں اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں آپ کو معلوم ہے کہ وہ آٹھ سال کی عمر میں اسقدر مغلوب الحال ہو گیا تھا کہ ہمارے خواجہ صاحب قدس سرہ (خواجہ باقی باللہ) اس کے علاج اور تسکین کے لئے بازار کا کھانا جو مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے منگواتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھے محمد صادق سے ہے کسی سے نہیں ہے، اور اسی طرح اسکو جو محبت مجھ سے ہے کسی سے نہیں ہے۔ اسی بات سے اس کی بزرگی اور فضیلت معلوم کی جاسکتی ہے۔ اس نے ولایت موسوی کو نقطۂ آخر تک پہنچادیا تھا اور وہ اس ولایت کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا اور ہمیشہ خشوع و خضوع اور تضرع وانکساری سے کام لیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہر ولی نے حق سبحانہ سے کچھ نہ کچھ مانگا ہے اور میں نے التجاو تضرع اس سے مانگی ہے۔ محمد فرخ کے متعلق کیا لکھا جائے وہ گیارہ سال کی عمر میں کافیہ پڑھنے والا ہو گیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھا کرتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور لرزتا رہتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن ہی میں اس کمینی دنیا سے رخصت ہو جائے تاکہ آخرت کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے مرض موت میں جو دوست اس کی تیمارداری کو آتے تھے اس میں عجیب و غریب حالات دیکھتے تھے۔ اور محمد عیسیٰ کی آٹھ سال کی زندگی میں لوگوں نے اس قدر خوارق و کرامات دیکھی ہیں کہ کیا لکھی جائیں۔ مختصر یہ کہ وہ سب قیمتی جواہر تھے جو ودیعت کئے گئے تھے۔ اور اللہ پاک کا بڑا کرم و احسان ہے کہ یہ امانتیں بلا جبر و اکراہ واپس اس کے حوالے کردی گئیں۔ یا اللہ! تو ان کے اجر سے ہم کو محروم نہ فرمائیو اور ان کے بعد فتنے میں نہ ڈالیو۔ بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱/ ۳۰۶)

عزم واستقلال : آنحضرت ﷺ کے عزم واستقلال کا یہ عالم تھا کہ کلمہ توحید کہنے کے جرم میں دوست احباب عزیز ورشتہ دار پڑوسی اور اہل قبیلہ سب جان کے دشمن ہو گئے پورا کفرستان عرب آپ کے خون کا پیاسا تھا لیکن آپ بڑے استقلال کے ساتھ دعوت حق میں مصروف رہے کسی کی دھونس دھاندلی سارے جہاں کی دشمنی بڑے بڑے سرداران قریش اور امرائے مملکت کا دباؤ آپ کے پائیہ استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔

دور اکبری : اس وصفِ عزم واستقلال میں بھی ہمیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے نبی کا کامل اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے۔ کہ اعلان دین متین کے وقت جو صورتحال عرب کے صحراء کی تھی اسی قسم کی صورتحال حضرت امام ربانی کے دعوت حق کے وقت ہند کے ریگزاروں کی بھی تھی کہ یہاں کفر وشرک کی آندھیاں چل رہی تھیں اور بدعت وضلالت کا گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دین الٰہی کے نام پر اکبر نے دین اسلام کے خلاف ایک نیا دین ایجاد کر لیا تھا جس میں گائے کے درشن، آگ اور سورج کی تعظیم، قشقہ لگانے، زنار پہننے کو الٰہی پرستش کہا گیا حشر ونشر کلمہ ، نماز ، روزہ ، حج اور زکوٰۃ کا انکار کیا گیا۔ بلکہ آذان اور نماز پر پابندی لگائی گئی، آنحضرت ﷺ کے نام نامی اسم گرامی احمد، محمد، محمود، مصطفےٰ پر نام رکھنے کی ممانعت کی گئی جن کے نام حضور کے ناموں پر تھے ان کے نام بدل دیئے گئے، سکوں سے کلمہ شریف ہٹا کر رام اور سیتا کی مورتیں کنندہ کرائی گئیں۔ رمضان المبارک کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے سرکاری طور پر حکم دیا گیا کہ دربار میں کھایا پیا کریں اگر بھوک نہ ہو تو پان ہی منہ میں رکھ لیا کریں۔ حج کے لئے جانے پر پابندی لگا دی گئی۔ قرآن مجید کو وحی الٰہی ماننے سے انکار کیا گیا اور اس کو معاذ اللہ حضور کی تصنیف قرار دیا گیا۔ حضور کے معجزات، معراج، صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کی شان میں گستاخیاں کی گئیں۔ مردون کی تجہیز وتکفین کی ممانعت کر دی گئی۔ حلال وحرام کی تمیز اٹھا دی گئی۔ ریشمی لباس جس کو اسلام نے حرام کیا وہ مردوں کو پہنایا جانے لگا۔ اور داڑھی منڈوائی جانے لگی۔ شراب، زنا سود اور جوا حلال کر دیا گیا۔ شیطان پورہ کے نام سے طوائفوں کی ایک بستی بسائی گئی۔ سن ہجری ختم کر کے سن شمسی رائج کیا گیا۔ قرآن کی زبان عربی کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ علوم دینیہ کی تدریس پر پابندی لگا دی گئی۔ ہندوں کے عقیدہ کے مطابق گائے کے ذبحہ پر پابندی لگا

دی گئی۔ سلام کے بجائے اللہ اکبر لفظ ایجاد کیا گیا۔ اسلامی تہواروں کے بجائے ہندوں کے تہواروں کو اسلامی عید کے طور پر منایا جانے لگا بادشاہ کو جبراً سجدہ کرایا جانے لگا۔ ایسے دور میں جبکہ ایک مطلق العنان بادشاہ خود کفر و شرک کو پھیلا رہا ہو اس کے خلاف احکام اسلام کی اشاعت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن امام ربانی نے بادشاہ کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر دین اسلام کی اشاعت کا کام جاری رکھا۔ اور ظالم و جابر بادشاہ کا کوئی خوف آپ کے پائیہ استقلال میں لغزش نہ لا سکا۔

. آپ نے اس صورت حال کا مقابلہ چند طریقوں سے فرمایا، سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ ریاست کے اہم عہدیداران، عمائدین سلطنت کی اصلاح فرمائی انکو اور بادشاہ کے خاص مصاحبین کو دین پر مضبوط کیا جن میں خان خاناں، خان اعظم سید صدر جہاں اور مرتضیٰ خاں جیسے اکبر بادشاہ کے خاص مقربین شامل تھے جن کو حضرت امام ربانی سے بیعت کا شرف حاصل ہوا ان کے ذریعہ آپ نے بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھجوائے اور ان کے ذریعہ بادشاہ کی اصلاح کی کوشش فرمائی۔

چنانچہ خان اعظم کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں اسلام اور مسلمانوں کی اس کسمپرسی کا ذکر کر کے اس کے خوابیدہ اسلامی جذبات کو آپ نے یوں جگایا۔

"اسلام کی غربت اور کسمپرسی یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اور نڈر ہو کر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان، اسلام کے احکامات جاری کرنے سے روک دیئے گئے ہیں اور احکام شریعت کے بجالانے میں ان کی مذمت اور طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔

پری ہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سبحان اللہ و بحمدہ۔ داناؤں نے کہا ہے کہ الشرع تحت السیف (شرع تلوار کے نیچے ہے) اور انہوں نے شرع شریف کی رونق بادشاہ سے وابستہ کی ہے لیکن اب معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ ہائے افسوس وائے حسرت و ندامت! آج تمہارے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور کمزور اور شکست خوردہ کے مقابلہ میں تمہارے سوا کسی کو مد مقابل اور حریف نہیں جانتے۔ حق تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہو۔

تجھ کو خزانہ کا اتنا پتہ دیا ہے
ہم نہ پہنچ سکے شاید تو ہی پہنچ جائے

(مکتوب ۶۵ دفتر اول حصہ دوم)

تبلیغ دین کے لئے دوسرا طریقہ آپ نے یہ اختیار فرمایا کہ جب اکبر اور اس کے مولویوں نے اصول دیں کا انکار کر کے اس میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوششیں کیں تو آپ نے ان مسائل پر تحقیقی کتابیں اور رسائل لکھ کر مخالفین کا منہ توڑ جواب دیا۔ مثلاً جب اکبر کو حضور ﷺ کے نام تک سے چڑ ہو گئی اور حضور کے معجزات، معراج شریف وغیرہ کا اس نے انکار کر دیا اور عقیدہ نبوت کے مدار نجات ہونے کا بھی منکر ہو گیا اور نبی کی جگہ پر خود اپنے آپ کو انسانیت کے نجات دھندہ پیشوا کی حیثیت سے پیش کرنے لگا تو آپ نے اس وقت "اثبات نبوت" کے نام سے ایک رسالہ عربی میں تحریر فرمایا جس میں نبوت اور اس کے متعلقات پر علمی انداز سے آپ نے گفتگو فرمائی اور مخالفین کے شکوک و شبہات کا موثر انداز میں رد فرمایا۔ اسی طرح جب اکبر نے کلمہ شہادت میں سے "محمد رسول اللہ" کو نکالکر اس کی جگہ "اکبر خلیفۃ اللہ" کے الفاظ کا اضافہ کیا تو اس فتنہ کا تدارک کرنے کے لئے آپ نے رسالہ تہلیلہ تحریر فرمایا۔

مسامحہ : الغرض! اکبر کے اس پر آشوب دور میں آپ نے رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ان دونوں طریقوں کے ذریعہ دین کی اشاعت کا کام بغیر کسی خوف و دہشت کے نہایت استقامت اور اولوالعزمی کیساتھ علی الاعلان اور ڈنکے کی چوٹ جاری رکھا۔ کیونکہ ظاہر ہے اکبر کے دین الٰہی کے نظریات کے خلاف کتابوں اور رسائل کی اشاعت اور بادشاہ کے خاص مقربین کی اصلاح اور آپ کے حلقہ ارادت میں ان کی شمولیت، یہ ایسے امور نہ تھے کہ جو چھپ کر اور خاموشی سے کر لئے جاتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ لہذا آج کے بعض مورخین کا یہ کہنا کہ "چونکہ اکبر کی جابرانہ اور قاہرانہ حکومت نے اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا دئے تھے اور اس وقت برملا کوشش کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اسلئے امام ربانی نے لاہور اور سرھند شریف میں رہ کر خاموشی کیساتھ کام کیا" یہ بات درست نہیں۔ بلکہ ان مورخین کی یہ تحریر اس ذات کے شایانِ شان نہیں جس کی رگوں میں عمر بن الخطاب کا خون گردش کر رہا تھا اور جس نے جہانگیر کے دربار میں بھی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق بلند کیا تھا، ایسی ذات کے لئے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس نے موت سے ڈر کر خاموشی سے کام کیا ہوگا۔

اکبر بادشاہ کی ہدایت : بہر حال رشد و ہدایت کے جو دو طریقے آپ نے اختیار فرمائے اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ اکبر بادشاہ جو زبردستی اور جبراً لوگوں کو اسلام چھوڑنے اور "دین الٰہی" قبول کرنے پر مجبور کیا کرتا تھا اس نے یہ راہ ترک کر دی اور رعایا کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو دین اسلام پر رہیں اور چاہیں تو اس کے دین الٰہی کو قبول کر لیں۔ اس معاملہ میں ان پر کوئی جبر نہیں ہے (روضۃ القیومیہ ۱۲۶) بلکہ شہنشاہ جہانگیر کی توزک کا جو انگلش ترجمہ میجر پرائس نے کیا ہے اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی کوشش پوری طرح رنگ لائیں اور شہنشاہ اکبر اپنے ملحدانہ نظریات اور لایعنی دین الٰہی سے آخر وقت میں تائب ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ چنانچہ میجر پرائس لکھتا ہے "شہنشاہ اکبر نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر جنتی مسلمانوں کی طرح وہ اس دنیا سے رخصت ہوا"

ڈاکٹر سید احمد خان بہادر نے ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء میں جو توزک جہانگیری چھپوائی ہے اس میں اگرچہ مذکورہ بالا الفاظ تو نہیں ہیں، البتہ یہ الفاظ ضرور ہیں "میراں صدر جہاں نے دوزانو ادب سے بیٹھ کر اس کو کلمہ پڑھایا اور بادشاہ نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور میراں صدر جہاں سے کہا کہ میرے سرہانے بیٹھ کر سورۃ یٰسین اور دعائے عدیلہ پڑھیں جب میراں صدر جہاں نے سورۃ یٰسین پڑھ کر دعائے عدیلہ ختم کی تو بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۱۰۱ بحوالہ خلاصہ ص ۳۸۱ / ۳۸۶ ج ہشتم / تاریخ ہندوستان / حضرت مجدد الف ثانی، مولفہ سید زوار حسین شاہ ۱۷۳)

اس عبارت سے بھی میجر پرائس کی عبارت کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ ذکر الٰہی کے وقت نکلنے والے ندامت کے آنسو بھی توبہ کا کام کرتے ہیں اور سارے گناہوں کو بہا کر لیجاتے ہیں۔ جبکہ مفتی ذکاء اللہ نے اقبال نامہ اکبری میں تو واضح طور پر اس کی توبہ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں "اس نے ملا صدر جہاں کو بلا کر ان کے ہاتھ پر توبہ کی، کلمہ پڑھا اور مسلمانوں کی طرح بہشت نصیب ہوا" (اقبال نامہ اکبری ۶۰۵)

اس کے علاوہ حضرت خواجہ محمد احسان مجددی نے حضرت امام ربانی کے ایک مشاہدہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اس سے بھی اکبر بادشاہ کی موت کا ایمان پر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک

روز حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ حشر قائم ہے اور لوگ جزع و فزع کر رہے ہیں اسی اثناء میں آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انکو دوزخ میں طرح طرح کے عذاب دیئے جارہے ہیں۔ سانپ بچھو انہیں کاٹ رہے ہیں آپ کو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کے مجدد ہونے کو اور آپ کی قیومیت کو نہیں مانتے تھے اس لئے ان کو عذاب دیا جارہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے فرشتوں سے پوچھا کہ ہمارا بادشاہ اکبر کہاں ہے ؟ انہوں نے کہا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ پھر مجھے دوزخ میں ایک گڑھا دیکھایا گیا جس میں ایک صندوق تھا فرشتوں نے اس صندوق میں سے ایک چوہے کی شکل کی چیز نکال کر آپ کے سامنے رکھی اور کہا کہ یہ آپ کا بادشاہ اکبر ہے اسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر اس سخت عذاب میں گرفتار کر رکھا ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں میں نے اسے صندوق سے نکال کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے پروردگار ! میں نے اسے معاف کر دیا۔ لہذا اب تو بھی اسے معاف کر دے۔ چنانچہ میری گذارش پر اللہ تعالیٰ نے اسے بخشدیا۔

جب جہانگیر بادشاہ نے اپنے باپ کی بخشش کی خوشخبری حضرت امام ربانی کی زبانی سنی تو بہت خوش ہوا اور بہت سارو پیہ فقراء اور مساکین میں تقسیم کیا۔ (روضۃ القیومیہ ج ا ص ۳۲۹)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اکبر کی موت اسلام پر ہوئی تھی کیونکہ اس واقعہ میں اس کے عذاب کی وجہ اس کا کافر و مشرک ہونا نہیں بیان کیا گیا بلکہ واضح طور پر یہ بتایا گیا کہ آپ کی خاطر اس کو یہ عذاب دیا جارہا ہے۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ کافر اور مشرک کے لئے تو بخشش کی دعا کی اسلام میں اجازت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان کو بخشے گا۔ قرآن کا واضح اعلان ہے کہ " اِنَّ اللّٰہَ لا یغفر ان یشرك به و یغفر ما دون ذالك لمن یشاء " کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو کبھی معاف نہیں کریگا۔ جبکہ یہاں حضرت امام ربانی کا اس کی بخشش کے لئے دعا کرنا اور ان کی دعا پر اس کا بخشا جانا پتہ چلرہا ہے لہذا ثابت ہوا کہ اس کی موت کفر و شرک پر نہیں ہوئی۔ وہ اس سے توبہ کر کے دنیا سے گیا تھا۔

تسامح : حیرت کی بات ہے کہ اتنے سارے مورخین جن مین ایک عیسائی مورخ بھی شامل ہے وہ تو سب اکبر کی اسلام پر موت کا قول کر رہے ہیں جبکہ بعض مسلمان مورخ اپنی کتابوں میں حضرت امام ربانی کی کاوش و محنت ان کی روحانی طاقت و کرامت ان کی تبلیغ اور رشد و ہدایت کی تاثیر و قوت ان سب

چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکبر کی موت کفر و شرک پر ثابت کرنے پر مصر ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اکبر کے اسلام پر تو صراحت کے ساتھ اتنے سارے مورخین کے اقوال اور شہادتیں موجود ہیں جبکہ کفر پر اس کی موت کا کسی مورخ کا کوئی تصریحی قول موجود نہیں اس کے باوجود حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے ایک مکتوب گرامی کو جس میں آپ نے فرعون کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے لیکن "اکبر کا اس میں صراحۃً کوئی ذکر نہیں فرمایا اسکو بنیاد بنا کر اور دیگر مورخین کی تمام تصریحات کو نظر انداز کر کے اکبر کی موت کفر و شرک پر ثابت کرنا کہاں کا انصاف ہے اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ شیخ محقق کی مراد اکبر ہی ہے تو اس کا یہ بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس وقت تک آپ کو اس کے آخری وقت کے حالات اور توبہ پر اس کی موت کا پتہ نہ چلا ہو۔

اسی طرح اکبر کی موت کفر و شرک پر ثابت کرنے والے یہ سوانح نگار اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے ایک اور دلیل بھی دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "اکبر کو توبہ کرانے والے ملا صدر جہاں یہ وہ ہی تو ہیں جنھوں نے اکبر کے ایما پر ڈاڑھی صاف کرائی اور اس کے سامنے ساغر شراب چڑھائے۔ پہلے ان کی توبہ تو متحقق ہو پھر اکبر کی توبہ کی بات کی جائے"

ان کی اس دلیل کا جواب خود ان کی اگلی تحریر میں موجود ہے جہاں انہوں نے "صدر جہاں" کو داعیان مملکت میں سے شمار کرتے ہوئے ان کی طرف حضرت امام ربانی کے مکاتیب ارسال فرمانے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "حاکموں کی بے راہ روی اور بے اعتدالی محکوموں پر اثر انداز ہوتی ہے حضرت مجدد نے اصلاح معاشرے کے اس پہلو کے پیش نظر اعیان مملکت کو خطاب فرمایا اور اس میں شک نہیں کہ آپ کی یہ کوشش بار آور ثابت ہوئی" اپنی اس عبارت میں وہ خود اقرار فرما رہے ہیں کہ ملا صدر جہاں جو اعیان مملکت میں سے تھے حضرت امام ربانی نے ان کو مکاتیب لکھ کر اسکے ذریعے ان کی اصلاح فرمائی اور آپ کی کوشش بار آور ثابت ہوئی یعنی وہ اپنی سابقہ بداعمالیوں سے تائب ہو کر آپکے خاص مرید اور معتقد اور ایک سچے مسلمان بن گئے اب اس سے بڑھ کر ملا صدر جہاں کی توبہ کے متحقق ہونے کا اور کیا ثبوت ہو گا۔

بہر حال اس میں اب کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت امام ربانی نے بڑی استقامت کے ساتھ ہر خطرہ سے بے خوف ہو کر عمائدین سلطنت اور اعیانِ مملکت اور خود شہنشاہ وقت

کی اصلاح کی جو کوششیں فرمائیں وہ بار آور ثابت ہوئیں۔ شہنشاہ اکبر کی کابینہ کی ایک اہم شخصیت ملا صدر جہاں حضرت امام ربانی کی اصلاحی کوششوں کے باعث اپنی سابقہ بد عملیوں سے تائب ہو کر ایسے سچے مسلمان بلکہ ایسے عارف اور ہادی بن گئے کہ پھر انہوں نے اپنے مرشد حضرت امام ربانی کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے بادشاہ کی اصلاح کی کوششیں کیں جس کے آثار اس کی زندگی میں ہی نظر آنے شروع ہو گئے تھے لیکن مکمل ہدایت اللہ تعالیٰ نے اس کو آخر وقت میں عطا فرمائی اور وہ حضرت امام ربانی کے اس مرید اور معتقد یعنی ملا صدر جہاں کے ہاتھ پر اپنی تمام بد عقیدگیوں اور بد اعمالیوں سے تائب ہو کر ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہوا۔

دور جہانگیری : یہ تو ایک جھلک تھی دور اکبری میں آپ کی استقامت اور الوالعزمی کی۔ لیکن جب ہم دور جہانگیری کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں آپ کا وصف استقامت اور عزیمت ہمیں بام عروج پر نظر آتا ہے۔ اکبر کی موت کے بعد شہنشاہ نور الدین جہانگیر ۱۶۰۵ء/۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوا جبکہ حضرت امام ربانی شیعوں کے خلاف رد الرفضہ کے نام سے ایک کتاب ۱۰۰۲ھ میں تصنیف فرما چکے تھے اس کے علاوہ اپنے مکاتیب اور مواعظ کے ذریعے اس مذہب کا پرُ زور طریقے سے مسلسل رد فرما رہے تھے جس کے باعث اس مکتب فکر کے لوگ آپ کے دشمن ہو گئے تھے۔ اتفاق سے جہانگیر نے اپنی جو کیبنٹ بنائی اس میں آصف جاہ کو وزیر اعظم بنا دیا جو کہ شیعہ تھا اس کی وجہ سے شیعیت کو ایوان سلطنت میں اثر ورسوخ حاصل ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ شیعوں نے اپنا بدلہ لینے کے لئے آصف جاہ کی سربراہی میں آپ کے خلاف جہانگیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے اور شہنشاہ کو آپ کا مخالف کر دیا، بادشاہ کی آپ سے نفرت اور اس کی معاندانہ کارروائیوں کی اصلی وجہ یہی آصف جاہ اور شیعوں کا بادشاہ کو بھڑکانا ہے جس کا بعض سوانح نگار اگرچہ انکار کر رہے ہیں لیکن ان مذکورہ بالا تاریخی حقائق اور دیگر مورخین کی ان تصریحات کے ہوتے ہوئے اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں۔ شیعوں نے بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے مثلاً یہ کہ آپ کے مکتوبات میں بعض آپ کے روحانی ارفع واعلیٰ مقامات سے متعلق آپ کی عبارات سنا کر آپ سے بددل کیا کبھی آپ کی شہرت اور فوج میں آپ کی مقبولیت سے خوف زدہ کیا، کبھی آداب شاہی بجا نہ لانے پر بھڑکایا، لیکن ان سب کے پیچھے وہ ہی آصف جاہ اور اس کے شیعہ حواریوں کا انتقامی جذبہ کارفرما تھا جو حضرت امام ربانی کی طرف سے ان کے خلاف خطوط رسائل اور

کتب لکھنے کے باعث ان کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی تائید حضرت خواجہ محمد احسان مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے روضۃ القیومیۃ میں لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"لیکن بادشاہ،، آنجناب حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال پر ذرا بھی معترض نہ ہوا یہ دیکھ کر وزیر حیران رہ گیا پھر اور فتنہ برپا کرنا چاہا چنانچہ بادشاہ کو کہا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جو اپنے آپ کو تمام انبیاء سے افضل بتاتا ہے اس کے جواب میں حضرت مجدد نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو چوتھے خلیفہ تھے ان کے پیروکار یعنی رافضی لوگ انہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں، ان پر فضیلت دیتے ہیں۔ ہزار سال سے ہم ان بدبختوں کے منہ پر نجاست بھری جوتیاں مار رہے ہیں۔ دراصل یہ گالی آنجناب نے وزیر کو دی تھی کیونکہ وہ بھی شیعہ تھا۔ اور وہ حضرت مجدد کے مصنفہ رسالے رد شیعہ کا مطالعہ کر چکا تھا۔ دراصل وزیر کو جو آنجناب سے دشمنی ہوئی اس کا باعث وہی رسالہ تھا۔

بعد ازاں آنجناب نے فرمایا کہ میرے نزدیک تو ایک ادب کا ترک بھی گناہ کبیرہ کی طرح ہے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جو صریحاً کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ بادشاہ، نے کہا واقعی ہمارا خیال بھی ایسا ہی تھا کہ آپ ایسے ہی بزرگ صالح اور متقی ہیں آپ سے کیوں اہل حق کی مخالفت ظاہر ہو گی" جب وزیر یعنی آصف جاہ نے دیکھا کہ یہ وار بھی نہ چلا تو بادشاہ کو کہا کہ شیخ کوئی آدب سلطنت بجا نہیں لائے اس پر بادشاہ نے حضرت قیوم اول مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ کوئی آداب بجا نہیں لائے حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ اب تک میں سوائے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے آداب بجا نہیں لایا"

اس کے بعد خواجہ محمد احسان نے سجدہ کرنے کا پورا واقعہ تفصیل کیساتھ ذکر کرنے کے بعد حضرت امام ربانی کے سجدہ نہ کرنے اور قد آدم سے چھوٹے دروازہ میں سر جھکا کر اندر داخل ہونے کے

بجائے پہلے اپنا قدم مبارک اندر داخل کرنے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"جب وزیر نے یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کو کہا کہ دیکھئے شیخ صاحب کیا اشارہ کرتے ہیں اس اشارے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں مع تاج و تخت اور سلطنت اپنے پاؤں سے پائمال کرونگا۔ جب آپ کے حضور میں اس قدر تکبر کرتے ہیں تو اندازہ کر سکتے ہیں کہ باہر نکل کر کس قسم کی شورش برپا کرینگے۔ خدشہ ہے کہ ملک میں ہزار فتنے برپا ہونگے اس صورت میں علاج محال ہو جائیگا۔ ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں لگے گا۔ ابھی شیخ صاحب کو قید کر لینا چاہئے ورنہ بڑی ندامت اٹھانا پڑیگی اور بعد میں پچھتانا کچھ مفید نہیں ہو گا بادشاہ بھی وزیر کے کہنے پر مجبور ہو کر آنجناب کو محبوس کرنے پر راضی ہو گیا۔ (روضۃ القیومیہ، محمد احسان ۳۱۲ / ۳۱۳ / ۳۱۵)

تسامح: روضۃ القیومیہ کے ان طویل اقتباسات سے یہ چیز واضح ہو کر سامنے آگئی کہ حضرت امام ربانی نے شیعوں کے خلاف کتابیں اور مکاتیب لکھے حتی کے بادشاہ کے سامنے بر سر دربار ان کے لئے سخت ترین الفاظ استعمال کیے جس کے باعث بادشاہ کا وزیر اعظم آصف جاہ آپ کا دشمن ہو گیا اور اس نے دربار میں حضرت امام ربانی کی تشریف آوری کے وقت اپنی دلی دشمنی نکالتے ہوئے بار بار بادشاہ کو بھڑکایا۔ یہانتک کہ دربار کے شاہی آداب بجانہ لانے پر بھی بادشاہ کو اس ہی نے خیال دلایا اور اس کو بھڑکایا جس کی وجہ سے بادشاہ نے آپ کی قید کا حکم دیا۔ لہذا بعض سوانح نگار حضرات کا یہ کہنا کہ "آصف جاہ یا شیعوں کے بھڑکانے سے حضرت مجدد کی گرفتاری عمل میں آئی تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں معلوم ہوتا"۔ یہ بات ان سوانح نگار حضرات کی درست نہیں اور ان کا یہ تجزیہ بھی تاریخی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ اپنے اس تجزیہ کو انہوں نے اس کمزور دلیل سے تقویت دینے کی کوشش کی ہے کہ جہانگیر نے آپ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا تھا کہ آپ خود کو خلفائے اربعہ سے افضل قرار دیتے ہیں جبکہ شیعہ حضرات یہ بات کیسے سمجھا سکتے تھے۔ حالانکہ کسی پر اتہام اور الزام لگانے کے لئے اس کا اس کے عقیدہ کے مطابق ہونا کوئی ضروری نہیں اس کے علاوہ اس مذکورہ بالا اقتباس میں اس کا جواب بھی آ گیا کہ شیعوں کی طرف سے تو یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ شیخ صاحب اپنے آپ کو انبیاء سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بات تو ان کی طرف سے ہی کی جا سکتی تھی۔

بہر حال مذکورہ بالا اقتباس کو پڑھ کر آپ کی استقامت کی شان نظر آتی ہے کہ ایک ایسا مطلق العنان بادشاہ، جس کے یہاں انسانی جان کی مکھی مچھر سے بھی زیادہ اہمیت نہ ہو، اور جس کو پوری طرح آپ سے متنفر اور بددل کر دیا گیا ہو۔ اس کے سامنے خوف زدہ ہو کر بجائے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کے، آپ نے جس طرح اس کو کھرے کھرے الفاظ میں بے خوف ہو کر بڑے بے باکانہ طریقہ سے حق کا پیغام سنایا ہے اور شیروں کی طرح گرجتے ہوئے اس کے چہیتے وزیر اعظم کی جس طرح اشاروں اور کنایوں میں خبر لی ہے۔ وہ آپ جیسے عمر بن الخطاب کے بہادر اور جری سپوت ہی کی ہمت تھی۔

اس سے بھی زیادہ آپ کے استقلال اور الوالعزمی کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب بادشاہ نے آپ سے سجدہ کے لئے کہا تو آپ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ میں نے سوائے خدا کے کسی کو نہ آج تک کبھی سجدہ کیا ہے اور نہ کبھی کسی کو سجدہ کرونگا۔ ایسی بُری بات مجھ سے کبھی نہ کہنا! ایسی نازک صورتحال دیکھ کر اسوقت کے مفتی ملا عبد الرحمٰن جو اس وقت دربار میں موجود تھے اور حضرت کے نہایت عقیدت مند اور معتقد تھے انہوں نے شرعی حکم بیان کرتے ہوئے حضرت امام ربانی سے کہا کہ چونکہ جان بچانا فرض ہے اس لئے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ اسوقت آپ پر بادشاہ کو سجدہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

لیکن اس پیکر استقامت نے مفتی صاحب کے فتوے کو رد کرتے ہوئے فرمایا "ملا یہ فتویٰ تمہارے لئے ہے میرے لئے نہیں۔ ہزار ہا انبیاء اور ان کے صحابہ نے راہ خدا میں اپنی جانیں قربان کر دیں ہیں، میں بھی ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی جان راہ خدا میں قربان کر دونگا لیکن کسی غیر خدا کو سجدہ کبھی نہیں کرونگا۔ (روضۃ القیومیہ ۳۱۲)

اسی طرح جہانگیر کا بیٹا شاہجہاں آپ سے بڑی ارادت و عقیدت رکھتا تھا اس نے افضل جان اور مفتی عبد الرحمٰن کو چند فقہ کی کتابیں دیکر آپ کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ سلاطین کے لئے سجدہ تعظیمی جائز ہے اگر آپ بادشاہ کو سجدہ کر لینگے تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ آپ کو بادشاہ سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی لیکن آپ نے انکی بھی درخواست کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ رخصت ہے جبکہ عزیمت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔ (سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان غلام علی آزاد بلگرامی ۴۹)

حضرت امام ربانی کے عزم واستقامت کا وصف ہمیں آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی الوالعزمی اور استقامت کے آگے شہنشاہ جہانگیر ہتھیار ڈال دیتا ہے اور

سجدہ کرنے کا مطالبہ ترک کر کے کہتا ہے کہ شیخ اگر سجدہ نہیں کرتے تو نہ کریں صرف سر کو جھکا لیں ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ لیکن امام ربانی بادشاہ کے اس مطالبہ کو بھی جب تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو پھر وہ یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ چند آدمیوں کے ذریعہ زبردستی آپ کے سر کو جھکانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کوہ استقامت کو سر کرنے کی یہ کوشش بھی جب اس کی ناکام ہو جاتی ہے تو پھر وہ تیسرا اور آخری طریقہ یہ اختیار کرتا ہے کہ آپ کو ایک چھوٹے دروازہ کے ذریعہ اپنے دربار میں بلاتا ہے تاکہ دروازہ چھوٹا ہونے کے باعث آپ کا سر خود بخود جھکے گا۔ اور اس طرح میرے حکم کی خود بخود تعمیل ہو جائیگی کیونکہ وہ کہتا تھا کہ اگرچہ مجھے انسے شرم آرہی ہے لیکن چونکہ میری زبان سے نکل گیا ہے لہذا اب اس حکم کی تعمیل ضروری ہے کیونکہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میرا حکم کبھی ٹلا ہو۔ لیکن شاید اس کو پتہ نہ تھا کہ اس کا حکم ٹل سکتا ہے لیکن یہ وہ استقامت کا کوہ ہمالیہ ہے جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا۔ اور دنیا نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا جب آپ اس قد آدم سے چھوٹے دروازے میں داخل ہونے لگے تو آپ نے پہلے اپنا قدم مبارک اندر داخل کیا اور سر اقدس کو پچھلی طرف جھکا کر اندر داخل ہو گئے (روضۃ القیومیۃ ص ۳۱۵) اور اس طرح عزم واستقلال کی ایک نئی اور نرالی داستان آپ نے تاریخ میں رقم فرمادی۔ درویش لاہوری علامہ اقبال اسی ادائے دلبری پر بے اختیار پکار اٹھے :

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
اس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت امام ربانی کے اس دور کے بعض سوانح نگار دربار جہانگیری میں رونما ہونے والے ان تاریخی واقعات اور حضرت امام ربانی کے ان استقامت کے ایمان افروز اور روح پرور مظاہروں کا انکار کرتے ہیں حالانکہ روضۃ القیومیۃ میں تفصیل کے ساتھ بیان کردہ ان واقعات کے انکار کی بظاہر کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ عقل و نقل ان واقعات کی صداقت پر شاہد و گواہ ہیں یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سال گذر گئے نہ سلف و خلف میں سے کسی نے انکا انکار کیا اور نہ ہی کسی بڑے سے بڑے مورخ کو کسی دور میں بھی ان واقعات کے خلاف لب کشائی کی ہمت ہوئی۔

بہر حال حضرت امام ربانی نے جہانگیر کے سامنے جس استقامت کا مظاہرہ فرمایا ہو سکتا ہے بادشاہ آپ کی ان تمام باتوں کو نظر انداز کر دیتا کیونکہ اس کے بعض خاص مصاحبین جو حضرت کے خاص مریدین میں سے تھے انہوں نے اس کے دل میں آپ کی دینی علمی اور روحانی عظمت بٹھائی ہوئی تھی۔ ادھر آپ کی شرق و غرب میں شہرت اور مقبولیت کا خوف بھی اس کے دل میں موجود تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ برداشت کر لیتا اور آپ کے خلاف کوئی اقدام نہ کرتا۔ لیکن اس کے وزیر اعظم آصف جاہ نے یہ آخری موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا اور بادشاہ کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ شیخ نے اپنا قدم پہلے دروازہ میں داخل کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ یہ آپ کے تخت و سلطنت کو اپنے قدموں سے روند دیگا لہذا انکو قید کر دیا جائے (روضۃ القیومیہ ۵ ۷ ۳) جبکہ اس سے پہلے وہ بادشاہ کو خبردار کر چکا تھا کہ فوج میں شیخ کا اثر ورسوخ بڑھ گیا ہے اور اس کے کہنے پر بادشاہ نے اس سے قبل فوج میں جو آپ کے معتقد جرنلز تھے ان کا مختلف علاقوں میں تبادلہ بھی کر دیا تھا۔ بہر حال آصف جاہ کے کہنے اور بھڑکانے پر بادشاہ نے آخر کار آپ کی قید کے احکامات جاری کر دیئے۔ اور آپ کو قلعہ گوالیار کے اندر قید کر دیا گیا۔

آپ کے عزم و استقامت کا سلسلہ یہاں پر آ کے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ قلعہ گولیار کی قید میں آپ کا وصف استقامت نئی اور نرالی شان کے ساتھ جلوہ ساماں نظر آتا ہے۔ کون ایسا شخص ہو گا جو سلاخوں کے پیچھے جانے میں بھی کیف و سرور محسوس کرے، ہاں وہ یہی مرد خود آگاہ ہے جو اس قید کو اپنے محبوب کی رضا سمجھ کر اس میں بھی کیف و لذت محسوس کر رہا ہے۔ اور اپنے ایک مرید اور معتقد کو اس صورتحال پر تسلی دیتے ہوئے تحریر فرماتا ہے کہ :

> "جفائے محبوب اس کی وفا سے بھی زیادہ لذت بخش ہے۔ جلال کو جمال سے زیادہ سمجھیں اور ایلام کو انعام سے زیادہ تصور کریں کیونکہ جمال و انعام میں محبوب کی مراد کے ساتھ اپنی مراد بھی شامل ہو جاتی ہے جبکہ جلال و ایلام (تکلیف رسائی) میں صرف محبوب کی مراد ہوتی ہے۔" (مکتوب امام ربانی ۳ / ۲)

یہ بھی استقلال کی کیا نرالی شان ہے کہ اس جفا اور تکلیف پر بجائے شکوہ کرنے کے یہ مرد قلندر اس کو اپنے رب کی تربیت کا ایک انداز سمجھ کر اور اس کو بے شمار روحانی مراتب اور مدارج کے حصول کا ذریعہ قرار دیکر اس پر اپنے رب کے حضور شکر بجالا رہا ہے۔ چنانچہ میر محمد نعمان کے نام اپنے ایک مکتوب

میں آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں :

"اگر قید خانہ میں نظر بند نہ ہوتا تو ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کبھی نہ گذرتا۔ غلامی خیال اور مثال کے کوچوں سے کبھی نہ نکلتا۔ بے ننگی بے ناموسی کے خوشگوار شربت اور خواری ورسوائی کے مزے دار مربے کبھی نہ چکھتا، خلقت کی ملامت اور طعن کے جمال کا لطف کبھی نہ اٹھاتا۔ تضرع والتجا انابت استغفار اور انکسار کی حقیقت کو کبھی حاصل نہ کر سکتا۔ اور اللہ کی شان صمدیت یعنی اس لی بے پرواہی اور بے نیازی کی شان کو جو عظمت وکبریائی کے پردوں میں چھپی ہوئی تھی کبھی نہ دیکھ سکتا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے جفا کے وقت مجھے عزت سے رکھا۔ خوشی غم رنج اور تکلیف کے وقت شکر کی توفیق دی"۔ (روضۃ القیومیہ ج ا ص ۳۱۸)

- بادشاہ نے صرف قید وبند پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کا گھر بار مال واسباب سب کچھ ضبط کر لیا لیکن اس کے باوجود آپ کے صبر واستقامت کا عجیب عالم ہے کہ سب کچھ لوٹ لینے والے کو دشمن سمجھنے کے بجائے اسے محبوب سمجھ رہے ہیں اور نہ صرف یہ کہ خود اپنی زبان سے اس کی برائی نہیں کر رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کو برا بھلا کہنے اور اس کو نقصان پہنچانے سے منع فرما رہے ہیں چنانچہ میر محمد نعمان کو اپنے ایک مکتوب میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو آزار کے درپے ہیں باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظروں میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ دوستوں سے کہدیں کہ سینہ کی تنگیوں کو دور کریں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے درپے ہیں دشمنی اور بگاڑ نہ کریں۔ بلکہ انہیں چاہیئے کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ (دفتر سوم مکتوب ۵)

اور دیکھئے اپنے بچوں کو کس خوبصورت انداز سے ان چیزوں کے لٹ جانے پر صبر واستقامت کا درس دے رہے ہیں

"حویلی وسرائے وکنواں وباغ اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے ان

میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہیں ہونی چاہئے اور حق تعالیٰ کی مرضی کے سواء تمہاری کوئی مرضی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر ہم مرجاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں اگر ہماری زندگی میں ہی چلی گئیں تو کوئی فکر نہ کریں۔ اولیاء نے تو ان کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑیں گے اور شکر بجالائیں گے تو امید ہے مخلصین (بفتح اللام) میں سے ہو جائیں گے۔ (مکتوب ۲ دفتر سوم)

انعامات استقامت : جو گ ابتلاء و آزمائش میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے بے پایاں انعامات و اکرامات سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے اس دور ابتلاء میں صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تو رب کی طرف سے بھی ان کو بڑے بڑے انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ اور چونکہ آپ کا صبر و استقامت بھی بے مثل و بے مثال تھا اس لئے رب نے اس پر آپ کو جن انعامات سے نوازا وہ بھی بے مثل و بے مثال تھے کچھ انعامات تو روحانی مدارج اور مقامات کی بلندی اور جیل میں بہت سے قیدیوں کی اصلاح کی صورت میں تھے جس کا ذکر آپ کے ایک مکتوب کے حوالے سے گذشتہ اوراق میں گذرا دوسرا انعام یہ تھا کہ چونکہ آپ اتباع سنت کا بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے اس لئے قلعہ گوالیار کی قید کے ذریعے حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت قید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعب ابی طالب میں محصوری کی سنت کا اتباع کرا کے اس کی فضیلتوں اور برکتوں سے بھی آپ کو سرفراز کر دیا گیا۔

رہائی : حضرت امام ربانی کو گرفتار کرنے والا خود آپ کی عقیدت و محبت کا کیسے گرفتار بن گیا اور آپ کو رہا کرنے پر کیسے تیار ہوا یہ بھی ایک عجیب اور حیرت انگیز داستان ہے۔ روضۃ القیومیہ میں حضرت خواجہ محمد احسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان تاریخی حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں آپ کی تحقیق کے مطابق ہندوستان کے اہم عمائدین سلطنت مثلاً خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خان، مہابت خان، مرتضیٰ خان، قاسم خان، تربیت خان، خان جہاں لودھی، سکندر لودھی، حیات خان دریا خان وغیرہ حضرت امام ربانی کے مرید تھے۔ وہ سب اس صورتحال پر سخت افسردہ اور مشتعل تھے انہوں نے بذریعہ خط و کتابت آپس میں مشورہ کر کے بادشاہ سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بدخشان، خراساں اور توران کے

حکمران جو حضرت امام ربانی کے معتقدین میں سے تھے ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور اس پوری مہم اور آپریشن کا نگراں سب نے بالاتفاق مہابت خان کو مقرر کیا اور ہر چہار طرف سے فوجیں کابل بھیجنی شروع کر دیں۔ خزانوں کے منہ اس مہم کے لئے کھول دیئے جب مہابت خان کے پاس فوج کافی تعداد میں جمع ہو گئی تو اس نے کھل کر بغاوت کا اعلان کر دیا خطبے اور سکوں سے بادشاہ کا نام نکال دیا۔ یہ خبر جب بادشاہ کے پاس پہنچی تو وہ گھبرا گیا اور ایک لشکر جرار لیکر مہابت خان کا مقابلہ کرنے کے لئے کابل کی طرف روانہ ہو گیا اس کے روانہ ہوتے ہی پیچھے سے ہندوستان کی فوج کا کمانڈر انچیف بالخصوص قلعہ کانگراں جو وزیر آصف جاہ کا بھائی تھا وہ سب خدا کی قدرت سے حضرت امام ربانی کے معتقد ہو گئے اور انہوں نے بھی بغاوت کر دی اور حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ تخت شاہی آپ کے لئے حاضر ہے اس پر تشریف فرما ہو کر عنانِ حکومت سنبھالئے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں تو ہزاروں ملتی ہیں کہ تخت و تاج کے حصول کی خاطر انسانوں کے سروں کے مینار بنائے جاتے ہیں، انسانی خون کی ندیاں بہادی جاتی ہیں اپنے چہیتوں اور پیاروں کو تہہ تیغ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا لیکن تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ تخت و تاج لا کر پیش کیا جا رہا ہو لیکن ایک درویش خدا مست، اس کو پایہ حقارت سے ٹھکرا دیتا ہو۔ یہ مثال صرف تاریخ میں ایک ذات نے قائم کی جس کا نام امام ربانی مجدد الف ثانی ہے۔

آپ نے فرمایا مجھے سلطنت کی کوئی آرزو نہیں، خبردار یہ بغاوت ختم کرو اور اپنے بادشاہ کے مطیع بن کر رہو میری فکر نہ کرو، میرے پیش نظر ایک بڑا اہم کام ہے جس کی خاطر میں نے خود اس نظر بندی کو برضاء و رغبت قبول کیا ہے۔ میرا کام جب مکمل ہو جائیگا تو میں خود رہا ہو جاؤنگا۔ آپ کا یہ حکم سن کر یہاں کے امراء بغاوت سے باز آگئے اور انہوں نے حضرت کا یہ حکم نامہ مہابت خان کو بھی روانہ کر دیا لیکن آپ کا حکم نامہ پہنچنے سے پہلے بادشاہ اپنا لشکر لیکر دریائے جہلم پر پہنچ چکا تھا۔ جہاں دوسرے کنارہ پر مہابت خان نے جنگی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اپنے لشکر کو دکھانے کے لئے تتر بتر کر دیا۔ اور بہت تھوڑے سے سوار اپنے ہمراہ رکھے یہ صورتحال دیکھ کر بادشاہ کے لشکر میں حضرت امام ربانی کے جو مرید تھے انہوں نے مہابت خان کے اشارے پر مہابت خان پر فوری بغیر تیاری کے بادشاہ سے حملہ کروادیا مہابت خان میدان چھوڑ کر بھاگا بادشاہ نے اس کا پیچھا کیا جہاں دور جا کر مہابت خان کے سارے لشکر نے بادشاہ کو اپنے گھیرے میں لیکر اس کو گرفتار کر لیا۔ وزیر آصف جاہ ابھی باقی لشکر کو تیار کرنے میں لگا ہوا تھا کہ

اچانک جب اس کو بادشاہ کی گرفتاری کی خبر ملی تو اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ آخر لاچار و مجبور ہو کر مہابت خان سے اس نے بھی اور بادشاہ نے بھی معافی مانگی اور کہا کہ ہم سے یہ گستاخی سرزد ہو گئی ہم اس پر سخت نادم ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ بادشاہ ابھی ان کی قید میں تھا کہ اتنے میں خان خاناں کی طرف سے حضرت امام ربانی کی ہدایت پر مشتمل خط مہابت خان کے پاس پہنچ گیا جس میں حضرت امام ربانی کا یہ حکم لکھا ہوا تھا کہ بغاوت ختم کرو اور بادشاہ کی اطاعت کرو۔ مہابت خان نے اپنے مرشد کے حکم پر فوری عمل کرتے ہوئے بادشاہ کو اسی وقت رہا کر دیا۔ اس کو تخت پر بیٹھا کے اس کے آگے دست بستہ کھڑے ہو کر سوائے سجدہ کے سارے شاہی آداب اس کے سامنے بجا لایا اور اپنے مرشد کا حکم اس کو دکھا کر اپنی اس غلطی کی اس سے معذرت طلب کی، بادشاہ نے اسے معاف کر دیا اور حضرت امام ربانی کی رہائی کا حکم دیکر کشمیر کی سیر کے لئے روانہ ہو گیا۔

اس داستان کا یہ ہے وہ اہم موڑ جس نے بادشاہ کے دل کی دنیا بدل کر رکھ دی اس لمحہ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ جس کے لئے مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ تمہاری سلطنت کے لئے خطرہ ہے وہ تو میری سلطنت کو تحفظ دے رہا ہے بلکہ میرے ہاتھ سے نکلی ہوئی سلطنت مجھے واپس لوٹا رہا ہے۔ لہذا لوگوں نے جو مجھے اس کے خلاف بھڑکایا تھا صحیح نہیں تھا بلکہ یہ واقعی ایک اللہ کا سچا بندہ اور ولی کامل ہے۔ یہاں سے اس کی حضرت امام ربانی سے عقیدت و محبت کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس نے آپ کی فوری رہائی کا حکم دیا لیکن وزیر آصف جاہ اپنی بدباطنی سے باز نہیں آیا اور بادشاہ کے اس حکم کی تعمیل میں قصداً دیر کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کو ابھی بادشاہ کے دل میں حضرت امام ربانی کی مزید عظمت بٹھانی مقصود تھی اس لئے اس کو کئی قسم کی مہلک بیماریوں میں مبتلا کر دیا اور خواب میں اس کو بتا دیا گیا کہ ان بیماریوں سے تمہاری نجات صرف امام ربانی کی دعا پر موقوف ہے اسی طرح یہ بھی اس کو دکھایا گیا کہ ساری سلطنت کا قیام اور بقاء بھی صرف انہی کی توجہ پر موقوف ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے آپ کو کہلوایا کہ آپ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں اور لشکر میں یہاں میرے پاس تشریف لے آئیں۔ اس کے جواب میں آپ نے بادشاہ کو لکھ کر بھجوایا کہ میرا آنا چند شرطوں پر موقوف ہے اگر تمہیں وہ شرطیں منظور ہوں تو میں آؤنگا ورنہ نہیں جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ دربار میں سجدہ کرنے کی رسم ختم کی جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسجدیں گرائی گئی ہیں وہ دوبارہ تعمیر کی جائیں تیسری شرط یہ ہے کہ گائے کے ذبحہ پر سے

پابندی ختم کی جائے ہر گاؤں اور قصبہ میں گائیں ذبح کی جائیں۔ بلکہ تم خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرو چوتھی شرط یہ ہے کہ تمام سرکاری عملہ علماء کرام میں سے لیا جائے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکامات ملک میں فوراً نافذ کئے جائیں۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ کافروں سے جزیہ وصول کیا جائے ساتویں شرط یہ ہے کہ تمام قیدی رہا کئے جائیں۔

بادشاہ پہلے ہی آپ کا معتقد ہو گیا تھا اور اپنی بیماری کے متعلق خواب دیکھنے کے بعد وہ مجبور ہو گیا کہ آپ کی شرائط منظور کر کے فوراً آپ کو اپنے پاس بلالے تاکہ آپ کی دعا سے صحت اور شفا حاصل کر سکے۔ چنانچہ اس نے آپ کی تمام شرائط قبول کرتے ہوئے آپ کو لانے کے لئے اپنے اہم امراء اور وزرا کو آپ کی خدمت میں گوالیار روانہ کر دیا۔ وہ امراء گوالیار پہنچے اور یہاں سے نہایت احترام اور تعظیم کے ساتھ آپ کو اپنے ہمراہ لیکر کشمیر کی طرف چلدیئے راستہ میں جہاں جہاں سے آپ کا گذر ہوتا گیا وہاں مساجد اور مدرسے تعمیر ہوتے گئے اور شرعی انتظامیہ مقرر ہوتی گئی۔ راستہ میں جب آپ سرہند شریف پہنچے تو آپ کا وہاں والہانہ استقبال کیا گیا۔ آپ نے خود فرمایا کہ آج خوشی کا دن ہے لہذا آج خوب کثرت سے درود شریف پڑھو اور خوشیاں مناؤ۔ سرہند شریف چند روز قیام فرمانے کے بعد آپ کشمیر میں خیمہ زن لشکر شاہی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب آپ کشمیر پہنچے تو بادشاہ نے اپنے وزراء کو آپ کے استقبال کے لئے بھیجا۔ آپ جب اس کے پاس آئے تو وہ بستر پر پڑا ہوا تھا اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا تمہاری شفا شرعی احکام کے نفاذ میں موقوف ہے اس نے کہا کہ آپ کی تمام شرائط میں منظور کر چکا ہوں۔ آپ نے وضو کے لئے پانی طلب کیا تاکہ وضو کر کے اور نماز ادا کر کے بادشاہ کے لئے شفا کی دعا کریں۔ جب وضو کے لئے پانی لایا گیا تو وہ سونے کے لوٹے میں تھا۔ آپ نے فرمایا اسلام میں سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ حرام کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا حرام اسے کہتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہو۔ بہر حال پھر دوسرے لوٹے میں آپ کے لئے پانی لایا گیا آپ نے وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے بادشاہ سے فرمایا کہ میں تمہاری شفا کے لئے اللہ سے دعا کرتا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر روؤ تاکہ حق تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ بادشاہ نے کہا مجھے تو رونا نہیں آرہا۔ ہاں البتہ اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت امام ربانی کے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لئے اٹھ گئے۔ اللہ

تعالیٰ اپنے پیاروں کے ہاتھوں کو خالی کبھی نہیں لوٹاتا اس اللہ کے مقبول بندے نے جو مانگا اللہ نے وہ ہی دے دیا اور بادشاہ کو بیماری سے اسی وقت شفا عطا فرمادی۔ بادشاہ جو پہلے ہی آپ کا معتقد ہو گیا تھا آپ کی عقیدت و عظمت سے سرشار ہو کر مودب ہو کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضرت امام ربانی نے اس پر خصوصی نگاہ کرم فرمائی اور اسکو اپنا مرید بنالیا۔

اس کے بعد حضرت امام ربانی سے اس نے جو وعدہ کیا تھا اسکو پورا کرتے ہوئے اس نے اپنی مملکت کے تمام شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں مساجد اور مدارس بنانے، قاضی اور محتسب مقرر کرنے، اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے احکامات جاری کر دیئے، دربار شاہی کے دروازے پر خود اپنے ہاتھ سے گائے ذبح کی اور اس کے گوشت کے کباب بنا کر وزیروں سمیت سب نے کھائے۔ ایک مسجد شاہی دربار کے سامنے بنوائی گئی۔ جس میں حضرت امام ربانی کی امامت کے اندر بادشاہ نے خود نماز ادا کی ۔ الغرض کفر و شرک اور باطل نیست نابود ہوا اور شریعت مصطفوی اور سنت نبوی کا بول بالا ہوا اور اسلام کا پرچم بلند ہو گیا۔

تسامح : اس موقعہ پر حضرت امام ربانی کے بعض عصر حاضر کے سوانح نگاروں کو کچھ تسامح ہو گئے لیکن ہم نے روضۃ القیومیہ سے جو تفصیلی حقائق درج کیے ہیں وہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہیں۔

پہلا تسامح : بعض سوانح نگار حضرات نے یہ لکھا ہے کہ "رہائی سے پہلے حضرت مجدد نے جہانگیر کے سامنے بعض شرائط رکھی جب جہانگیر نے یہ شرائط منظور کیں تو آپ باہر آئے، صحیح نہیں۔ شرائط کیسی، وہاں تو ظلم و ستم سے رہائی ایک اہم مسئلہ تھا"۔ اس غلط فہمی کا جواب آگیا کہ امرائے سلطنت اور عمائدین ریاست کی بغاوت، خود بادشاہ کا قید ہو جانا، پھر حضرت امام ربانی کے حکم پر اس کی رہائی، پھر بیماری سے نجات کا حضرت کی دعا پر موقوف ہونا۔ یہ سب وہ عوامل ہیں جنہوں نے جہانگیر کے دل کو بدل دیا اور حضرت کی تمام شرائط ماننے پر اس کو مجبور کر دیا۔ اگرچہ شروع میں وہ ظلم و ستم پر آمادہ تھا لیکن بعد میں وہ حالات پیدا ہو گئے تھے کہ حضرت امام ربانی اس کے اسیر نہیں تھے بلکہ وہ ظاہری اور باطنی، روحانی اور جسمانی طور پر آپ کا اسیر ہو گیا تھا۔ لہذا اب اس کے ظلم و ستم سے آپ کی رہائی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بلکہ حضرت امام ربانی کے دائرہ عظمت اور قید عقیدت سے جہانگیر کی رہائی اہم مسئلہ بن گیا تھا۔ جس کو اس نے اسطرح حل کیا کہ آپ کے سامنے ادب سے دوزانو بیٹھ کر آپ کی ارادت و عقیدت کا

طوق اپنے گلے میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے خود کو آپ کی قید میں دے دیا اور ہمیشہ کیلئے آپ کی زلفوں کا اسیر بن گیا۔

دوسرا تسامح : بعض حضرات نے اس قید سے رہائی کے بعد لشکر کے ساتھ آپ کے قیام کو ایک جبری نظر بندی قرار دیتے ہوئے آپ کو بے کس و بے بس اور مجبور ولاچار ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "لشکر میں شیخ کو مجبوراً رہنا پڑا۔ بادشاہ نے ان کو پانچ سال پابند سلاسل رکھا پھر بدقت تمام اعیان مملکت کی سفارش سے اجازت دی لیکن اس شرط پر کہ سرہند جا کر مجلسیں نہ جمائیں خلوت میں وقت گزاریں' تو ایسا ہی کیا گیا اور اسی خاموشی میں جان عزیز جان آفرین کے سپرد کر دی"۔

ان حضرات کا امام ربانی کے بارے میں یہ انداز فکر حقائق کے منافی ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قید سے رہائی کے بعد امام ربانی کا دل لشکر میں رہنے کو نہیں چاہ رہا تھا کیونکہ کون ایسا شخص ہے جس کو کئی سال قید میں رہنے کے بعد اپنا گھر بار اور بال بچے یاد نہ آتے ہوں لہذا اتنا لمبا عرصہ اہل خانہ سے جدا رہنے کے باعث آپ کا فطری رجحان واپس گھر جانے کی طرف ہی تھا لیکن بادشاہ جو آپ کا معتقد اور مرید بن گیا تھا اس نے جس محبت سے اصرار کیا اس کو آپ رد نہ فرما سکے ادھر اس کے ساتھ رہ کر اس کی اصلاح اور ملک میں نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی صورت بھی آپ کو اسی ہی میں نظر آئی اس لئے آپ نے دل پر جبر کر کے بادشاہ کی اس استدعا کو قبول فرما لیا اور اس کے ساتھ لشکر میں رہ کر اس کی اصلاح فرمائی اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کا اپنا مشن پائیہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس پر انہی حضرات کی بڑی معتبر کتاب تزک جہانگیری کی یہ عبارت بھی شاہد ہے جس میں خود جہانگیر نے لکھا ہے کہ "میں نے شیخ کو اختیار دے دیا کہ چاہیں تو سرہند چلے جائیں اور چاہیں تو میرے پاس رہیں اور ساتھ ہی ان کو خلعت اور ہزار روپے بھی عطا کئے" جہانگیر کا حضرت کو خلعتیں اور نذرانے عطا کرنا اور آپ کو رہنے اور جانے کا اختیار دینا خود واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ اس کے دماغ سے حضرت کو جبراً قید رکھنے کا خمار نکل گیا تھا۔ اور وہ حضرت کا معتقد ہو کر لجاجت سے آپ کو اپنے پاس رکھنے کی آرزو دل میں رکھتا تھا۔ اس کی تصدیق مخدوم محمد ہاشم کشمی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے لکھا ہے کہ "یہاں تک کہ بادشاہ نے جو اس گروہ سے پوری طرح مناسبت نہیں رکھتا تھا آپ کو بلا کر تکلیف دی اور قید کر دیا اگرچہ بعد میں بادشاہ اس کام کی وجہ سے شرمندہ ہوا اور آپ سے معافی چاہی۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۷۸)

اسی طرح اس کی تصدیق حضرت خواجہ محمد احسان کی عبارت سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"بادشاہ کی بیماری جاتی رہی تو بادشاہ نے بڑی منت سماجت سے آنجناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس رکھا کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ جب حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے جدا ہو جائیں گے تو وہ ہلاک ہو جائیگا ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی حضرت مجدد لشکر میں ٹھہرنے پر مامور تھے تاکہ اہل لشکر کو ہدایت اور ارشاد نصیب ہو اور فوجیوں کی اصلاح کر دی جائے اس واسطے حضرت مجدد کچھ عرصہ وہیں رہے (روضۃ القیومیہ ج ا ص ۳۳۹)

دوران سفر جب آپ اپنے وطن سرہند شریف سے گزرے تو اپنے وطن اور گھر بار کی کشش نے ایک بار پھر آپ کو اپنی طرف کھینچا اور آپ نے اسی اپنے طبعی تقاضہ سے مجبور ہو کر بادشاہ سے کہا کہ اب مجھے یہیں رہنے دو تو سنئے اس نے کیا جواب دیا۔ خواجہ محمد احسان لکھتے ہیں کہ :

"بادشاہ نے عرض کیا کہ میں جناب سے جدا نہیں ہو سکتا، بہر حال جناب کی خاطر کچھ اور تھوڑا سا عرصہ سرہند شہر میں بسر کر لیتا ہوں چنانچہ چار مہینہ وہ سرہند شہر میں رہا اور اس کے بعد وہ دھلی روانہ ہو گیا اور آنجناب کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ (روضۃ القیومیہ ص ۳۵۷)

آخری جو کوشش آپ نے فرمائی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خواجہ محمد احسان فرماتے ہیں۔ "آخر بڑی کوشش کے ساتھ بادشاہ سے رخصت لی بادشاہ نے آپکے اصرار پر آپ کو وطن جانے کی رخصت دی" (روضۃ القیومیہ ص ۳۷۱)

اسی کتاب میں خواجہ محمد ہاشم کی برکات الاحمدیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ :

"جہانگیر کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کا بعض شہروں قصبوں اور گاؤں سے گزرنا حکمت سے خالی نہ تھا کیونکہ وہاں کے باشندے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آنجناب کی نظر کیمیا اثر کی برکات سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ (روضہ القیدیۃ ۳۵۴)

اسی میں آپ کی لشکر کے اندر تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "کہ بادشاہی لشکر کے ہزار آدمی حضرت مجدد کے مرید بن گئے اور ھندوانہ لباس اتار کر پایۂ تحقیق سے مشرف ہوئے۔

ہر صبح و شام کم از کم بیس ہزار سے زیادہ آدمی حضرت مجدد الف ثانی کے حلقہ میں حاضر ہوتے" (روضہ القیومیہ ص ۳۴۱)

وہاں سے واپسی پر سرہند میں آپ کی خلوت گزینی کی وجہ خود حضرت امام ربانی کی زبانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بعض محرموں اور متعلقین نے التماس کی کہ آنجناب کے خلوت اختیار کرنے کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ اس جہاں سے کوچ کر جانے میں بہت تھوڑا عرصہ رہ گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ سب سے قطع تعلق کر کے تنہائی اختیار کروں اور استغفار میں مشغول ہو جاؤں (روضہ ۳۸۲) باقی ہنگامہ ارشاد خلق، مرید کرنا، سالکوں کو توجہ دینا، خانقاہ کی امامت کرنا حضرت عروۃ الوثقی معصوم زمانی قیوم ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا۔ (روضہ ص ۳۸۲)

روضۃ القیومیہ کی ان عبارات سے چند باتیں واضح ہو کر سامنے آئیں گیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ثابت ہو گئی کہ لشکر میں آپ کا قیام اگرچہ اہل و عیال سے طویل جدائیگی کے باعث آپ کے قلب پر گراں تھا بلکہ آپ کو ایک قید سے کم نہیں لگتا تھا لیکن بادشاہ کے محبت بھرے اور عقیدت سے پر اصرار اور دینی مصالح کی خاطر آپ نے دل پر پتھر رکھ کے اس کو خود قبول فرما لیا تھا۔ مکاتیب شریفہ میں جہاں بھی آپ نے اس قیام کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے وہ آپ کی اسی فطری اور جبلی تقاضوں کا اظہار تھا اس سے یہ معنی اخذ کر لینا کہ بادشاہ کی طرف سے آپ کو پابند سلاسل کر کے آپ کو بالکل لاچار و مجبور اور بے اختیار کر دیا گیا تھا یہ قطعاً درست نہیں، بالخصوص اس صورتحال میں جبکہ بادشاہ کی فوج نے بغاوت کر کے اسی کو گرفتار کر لیا ہو اور حضرت کے حکم پر اسکو رہائی نصیب ہوئی ہو۔ اور اس کے خلاف ہر چار طرف جو بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا وہ حضرت کے حکم سے فرو ہوا ہو۔ پھر حضرت کی دعاؤں سے اسے بیماری سے نجات نصیب ہوئی ہو ایسی صورت میں اس کی طرف سے ظلماً اور حکماً آپ کو پابند سلاسل کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس وقت عقلاً بھی حضرت خواجہ محمد احسان کی بات درست نظر آتی ہے کہ حضرت کو اپنے سے جدا کر کے اسکو اپنی ہلاکت کا خوف تھا اس لئے وہ لجاجت اور منت سماجت کر کے حضرت کو اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار کرتا رہا اور حضرت ہر بار اس کی استدعا کو قبول فرماتے رہے۔

(۲) دوسری بات ان مندرجہ بالا عبارات سے یہ بھی ثابت ہو گئی کہ آخیر میں خود آپ کے اصرار پر

بادشاہ نے آپ کو جانے کی اجازت دے دی۔ اعیان مملکت کی سفارش پر آپ کو وہاں سے رخصت نہیں ملی۔ اور بھلا وہ شخص جو بادشاہ کا مرشد ہو اور بقول خواجہ محمد ہاشم کشمی جس کی شان یہ ہو کہ اس کے آگے بادشاہ اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہا ہو اور بادشاہ کے دربار میں جس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہو کہ بقول خواجہ محمد احسان "دو امیر زادوں کو بادشاہ نے قتل کی سزا سنادی رات کو جب انہیں قتل کے لئے لیجایا جا رہا تھا حضرت امام ربانی نے ان کو روکا اور اسی وقت رات کو بادشاہ کے خاص حرم سرا میں جہاں کسی کے جانے کی ہمت نہیں تھی اسے دستک دیکر نہ صرف یہ کہ ان کی قتل کی سزا معاف کرائی بلکہ ان کو بادشاہ کی طرف سے خلعت وانعامات سے سرفراز کروایا۔ ایسی ذات جس کی سفارش پر قتل کے مجرموں کو رہائی ملتی ہو اس کے لئے یہ تصور کرنا کہ وہ کسی کی سفارش کا محتاج تھا اور کسی کی سفارش پر اس کو بدقت تمام رہائی ملی یہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔

(۳) تیسری بات یہ بھی ثابت ہو گئی کہ ایسی اہم شخصیت کو گھر جانے کی اجازت دیتے وقت اس نے کوئی شرط نہیں لگائی مجلسیں نہ سجانے جیسی شرط کا نہ کسی مورخ نے ذکر کیا ہے اور نہ ہی عقلاً یہ ممکن ہے کہ حضرت کے احسانوں میں دبا ہوا آپ کی عظمت و سطوت سے مرعوب شخص یہ جسارت کرے کہ وہ آپ پر کسی قسم کی پابندی عائد کر کے آپ کو رخصت کرے اگر اس کو پابندی عائد کرنی ہوتی تو اس کے ساتھ لشکر میں جب حضرت اس کے ہم سفر تھے تو اس وقت پابندی عائد کرتا جبکہ مندرجہ بالا عبارات سے ثابت ہو چکا ہے کہ لشکر میں دوران سفر ہر روز بیس بیس ہزار کا مجمع آپ کے حلقہ میں ہوتا تھا، جہاں سے آپ گذرتے تھے وہاں بے شمار خلائق آپ سے فیض حاصل کرتی تھی۔ بلکہ قلعہ کانگڑا کی فتح پر وہ خود آپ سے درخواست کر کے آپ کو اپنے ہمراہ قلعہ کانگڑا لیکر گیا وہاں آذان دلوائی نماز و خطبہ ہوا اور بادشاہ نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی۔ بھلا جس کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں کے مجمع لگ رہے ہوں، محفلیں جم رہی ہوں خود وہ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کر کے آپ کی عظمت کا اقرار کر رہا ہو اس کے لئے اپنی طرف سے یہ قیاس کر لینا کہ اس نے حضرت کو گھر میں محفلیں سجانے سے منع کیا تھا۔ یہ بات قرین قیاس نہیں۔

پھر اگر سرہند میں محفلیں سجانا بادشاہ کے نزدیک اتنا ہی خطرناک تھا اور اس نے اس پر پابندی لگادی تھی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محفلیں کیسے

سجالیں ؟ جبکہ حضرت کی جگہ پر بیٹھ کر ان کا محفلیں سجانا یا خود حضرت کا محفلیں سجانا دونوں ایک ہی بات تھی اور یہ مندرجہ بالا عبارات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور ہنگامہ ارشاد ان کے ذات سے وابستہ ہو گیا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ محفلیں نہ سجانے کی شرط بادشاہ کی طرف سے کوئی نہیں لگائی گئی تھی۔ ایسا کہنا ہرگز درست نہیں۔

جہاں تک حضرت امام ربانی کے آخر عمر میں خلوت اختیار کرنے کا مسئلہ ہے تو اس کی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ وصال الہیٰ کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے آپ کی توجہ خلق سے ہٹ کر ہمہ تن خالق کی طرف ہو گئی تھی۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ بڑے بڑے اولیاء اور انبیاء کی سیرت میں بھی ان کے آخر وقت میں عزلت نشینی اور خلق سے اعراض کی کیفیت ہمیں نظر آتی ہے۔ خود امام الانبیاء سرور دو عالم ﷺ کے آخر وقت میں آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے اَللّٰھُمَّ الرفیق الاعلی (خدایا صرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے) یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا کہ اب آپ ہم لوگوں کو چھوڑ دینگے۔ (صحیح بخاری باب وفات) اس کی تشریح کرتے ہوئے امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں

> "انبیا علیھم السلام جب دعوت وارشاد سے فارغ ہو کر عالم بقا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور رجوع الی الخلق کا مقصد جب انکا پورا ہو جاتا ہے تو پھر پورے شوق کے ساتھ ان کی زبان سے 'الرفیق الاعلیٰ' کی صدا نکلتی ہے اور وہ مکمل طور پر حق کی طرف متوجہ ہو کر مراتب قرب کی سیر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔
> (مکتوب ج ا ص ۲ ۷ ۳)

بہر حال وصال الہیٰ کے قریب آپ کا مخلوق سے انقطاع اور عزلت نشینی اختیار کرنا آپ کے ایک بلند اور اعلیٰ مقام کی نشاندہی کرتا ہے جسے بادشاہ کی طرف سے پابندی قرار دیکر جبری زباں بندی کا تاثر دینا حضرت امام ربانی کے مقام عظمت ورفعت کے نہ صرف یہ کہ سراسر منافی ہے بلکہ حقیقت حال کے بھی سراسر خلاف ہے۔

تیسرا تسامح: ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت مجدد کی گرفتاری اور مہابت خان کی بغاوت کے درمیان (تزک جہانگیری اور تکملہ تزک جہانگیری کی رو سے) تقریباً سات سال کا فرق ہے اس لئے

حضرت مجدد کی گرفتاری کو مہابت خان کی بغاوت اور جہانگیر کی گرفتاری کا اصل سبب بتانا تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں، یعنی مہابت خان نے جو بغاوت کی اور جہانگیر کو گرفتار کیا اس کی اصل وجہ حضرت امام ربانی کی گرفتاری نہیں تھی بلکہ اس کی کوئی اور وجہ تھی۔

ان حضرات کی اس غلط فہمی کا رد بھی روضۃ القیومیہ کے بیان کردہ مذکورہ بالا حقائق سے بخوبی ہو گیا کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جب جہانگیر مہابت خان کی قید میں تھا اس وقت خان خاناں کا پیغام حضرت کی ہدایات کی صورت میں مہابت خان کے پاس پہنچا کہ بادشاہ کی اطاعت کرو اور بغاوت نہ کرو۔ یہ پڑھتے ہی مہابت خان نے جہانگیر کو آزاد کر دیا اور اپنے مرشد کا حکم سن کر اس کے سامنے مودب ہو کر دربار کے آداب بجالایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہابت خان کی بغاوت اور جہانگیر کو قید کرنا حضرت امام ربانی کی قید کے خبر کے کچھ ہی عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا ہے۔ اور سات سال کا عرصہ اگر تزک جہانگیری سے ثابت ہوتا ہے تو وہ سراسر غلط ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہی سوانح نگار حضرات لکھ رہے ہیں کہ تزک جہانگیری میں جہانگیر نے کئی سفید جھوٹ بولے ہیں ایک اس نے یہ کہا کہ میں نے شیخ احمد سے سوالات کیے جس کا وہ معقول جواب نہیں دے سکے۔ یہ اس کا سفید جھوٹ ہے حالانکہ امام ربانی نے اس کے ہر سوال کا بڑا معقول جواب دیا اور اس کو خاموش کر دیا تھا اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ میں نے ان کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو یہاں رہیں اور چاہیں تو گھر چلے جائیں اس کو بھی ان حضرات نے جہانگیر کا سفید جھوٹ قرار دیا ہے۔ لہذا تزک جہانگیری جو خود ان حضرات کے قول کی رو سے جھوٹ کا پلندا ہے اس پر اعتماد کرتے ہوئے ایک ایسی حقیقت کا انکار کرنا جس کے لئے حضرت خواجہ محمد احسان جیسا ولی کامل مورخ یہ فرمارہا ہو کہ میں نے یہ واقعات بڑے معتبر آدمیوں سے سن کر یہاں لکھے ہیں " یہ ایک انتہائی حیرت انگیز اور تعجب خیز امر ہے۔ جبکہ تکملہ تزک جہانگیری تو شیعہ کا لکھا ہوا ہے جو حضرت امام ربانی کے جانی دشمن تھے۔ وہ کب ایسے حقائق پیش کریں گے جن سے حضرت امام ربانی کی عظمت کا اظہار ہوتا ہو۔ لہذا اس شیعہ کے بیان کردہ حقائق پر اعتبار کرتے ہوئے خواجہ محمد احسان جیسے مورخ کی بات رد کر دینا ہرگز درست نہیں۔

چوتھا تسامح: ان حضرات نے لکھا ہے کہ "جہانگیر کے لئے یہ کہنا کہ حضرت امام ربانی کا مرید ہو گیا اور حضرت امام ربانی نے اس کے لئے یہ فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بہشت میں لے گیا تو ہم تیرے

بغیر نہیں جائیں گے۔ یہ باتیں صحیح نہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں"۔

روضۃ القیومیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا کہ یہ باتیں بے اصل نہیں۔ بلکہ ان کی روضۃ القیومیہ میں اصل موجود ہے۔ اس کے مرید ہونے کا ذکر تو اوپر گزر گیا جبکہ دوسری بات کا ذکر روضۃ القیومیہ میں اس طرح سے ہے کہ "بادشاہ گذشتہ گستاخیوں کی بابت بہت شرمندہ تھا ہر روز آپ سے اپنے خاتمہ بالخیر اور مغفرت کے لئے التجا کرتا تھا آپ اس سے فرمایا کرتے تھے کہ خاطر جمع رکھو! میں اس وقت تک بہشت میں داخل نہیں ہونگا۔ جب تک تمہیں اپنے ساتھ نہ لے لونگا" (روضۃ القیومیہ ص ۳۳۸)

جبکہ اس کے مرید ہونے اور آپ کے مخلصین میں شامل ہونے کا ذکر حضرت امام ربانی کے چند اور سوانح نگار بھی کر رہے ہیں۔ جیسے خواجہ محمد معصوم کے مرید خاص محمد امین بدخشی اپنی کتاب مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ (ص ۱۷۲) میں اور جان اے سبحانی اپنی کتاب صوفی ازم میں اس کی تصریح کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ تاریخ میں بعض ایسے واقعات آئے ہیں جو اس کے مرید ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱) مثلاً بادشاہ اپنے سرہند شریف میں قیام کے دوران ایک روز حضرت امام ربانی کے در دولت سے اپنے لشکر گاہ کی طرف واپس آ رہا تھا تو راستہ میں لوگوں کے مکانوں کو دیکھ کر کہنے لگا۔ یہ گھر کیسے بے سلیقہ بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے شیخ صاحب کی سواری کی آمد و رفت میں بڑی دقت اور پریشانی ہوتی ہو گی لہذا ان مکانوں کو گرا دو چنانچہ اس کے حکم پر اسی وقت مکان گرا دیئے گئے جب حضرت امام ربانی کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم فقیر آدمی ہیں ہمیں آمد و رفت میں کوئی دقت نہیں ہوتی یہ آپ نے ہماری وجہ سے کیا کر دیا۔ بادشاہ نے آپ کی قلبی رضا کی خاطر تمام مکانوں کے مالکان کو بلا کر ان کے مکانوں کا بھاری معاوضہ ادا کیا تا کہ وہ کسی اور جگہ اچھے سے مکانات بنالیں۔ (روضۃ القیومیہ ص ۳۵۵)

(۲) صاحب مجمع الاولیاء نے جہانگیر کی ارادت و عقیدت کا ایک واقعہ اور بھی لکھا ہے کہ جہانگیر کشمیر سے واپسی پر ضیق النفس کے مرض میں مبتلاء ہو گیا بڑے بڑے طبیبوں سے علاج کرایا لیکن کوئی

فائدہ نہیں ہوا کسی نے کہا کہ اب اللہ کے کسی ولی کو دکھانا چاہئے چنانچہ حضرت امام ربانی سے درخواست کی گئی آپ تشریف لائے بادشاہ نے آپ سے دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا دعا تو میں ضرور کرونگا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ وعدہ کریں کہ اسلام اور شعائر اسلام کی آپ ترویج واشاعت کرینگے بادشاہ نے کہا کہ گفتن از شماست و کردن ازما ۔ یعنی کہنا تمہارا کام ہے کرنا ہمارا کام ہے۔ آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اسی رات بادشاہ کا مرض رفع ہو گیا۔ جب سرہند شریف قریب آیا تو بادشاہ نے کہا کہ شیخ جیو! چونکہ تمہاری دعا سے صحت یابی ہوئی ہے اسلئے کل تمہارے لنگر خانہ سے پرہیز توڑینگے چنانچہ دوسرے دن حضرت امام ربانی نے کھانا تیار کرا کر اپنے دونوں صاجزادوں کے ہاتھ مٹی کے برتنوں میں بادشاہ کو کھانا بھجوایا جب بادشاہ نے کھانا کھایا تو اس کو بہت پسند آیا اس نے آصف جاہ سے کہا کہ ہم نے شیخ جیو کے گھر کا کھانا کھایا بہت مزیدار تھا خاص طور پر مرغ تو بہت ہی اچھا پکایا تھا۔ آدھا کھایا اور آدھا اٹھا کے رکھ دیا ہے پھر کھائینگے۔ اس کے بعد آصف جاہ کو حضرت امام ربانی کے پاس بھیجا کہ درویشوں کے یومیہ خرچ کے لئے کچھ ہماری طرف سے قبول کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا خدا کے در کے بھکاری صرف خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (مجمع الاولیا، علی اکبر چشتی، ۴۴۲ مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری)

ان واقعات پر ذرا غور کیجئے کہ اپنے شیخ کی عقیدت میں ان کے آرام کی خاطر بے ترتیب مکانوں کا گروا دینا پھر شیخ کی ناراضگی پر ان کے مالکوں کو اس کا معقول معاوضہ دینا۔ ان کے گھر کے کھانے کو بطور تبرک بچا کر رکھ لینا، خانقاہ کے لنگر کے لئے یومیہ وظیفہ پیش کرنے کی استدعا کرنا آپ کے حکم پر ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ کرنا پھر بعض مورخین کا حضرت امام ربانی کے مخلصین اور ارادتمندوں میں بادشاہ کی شمولیت اور اس کے مرید ہونے کی صراحت کرنا ان سب چیزوں کے بعد بھی اس کے مرید ہونے میں کیا کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے ؟

عفت وحیاء : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اوصاف وشمائل مین سے عفت وحیاء بھی تھی جس کی کیفیت کو حدیث مبارکہ کے اندر ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اشد حیاء من العذرانی خدرھا ۔ (بخاری) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری دوشیزہ سے بھی کہیں زیادہ باحیاء تھے۔ آپ کی آنکھوں سے آپ کی شرم وحیاء کا اظہار ہوتا تھا چنانچہ اس کیفیت کو حدیث مبارک میں یوں بیان کیا گیا کہ خافض الطرف نظرہ الیٰ الارض

اطول من نظرہ الیٰ السماء (طبقات ابن سعد، ج ۱ص ۴۲۲) کہ آپ کی نظر مبارک بجائے اوپر اٹھنے کے اکثر زمین کی طرف جھکی رہتی تھی۔

نیچی آنکھوں کی شرم حیاء پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

نیچی آنکھوں سے جہاں آپ کی شرم وحیاء کا اظہار ہوتا تھا وہاں یہ نگاہیں آپ کے کمال عفت وپاکدامنی کا بھی مظہر تھیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا راستہ میں چلتے ہوئے نیچی نگاہیں رکھنا جہاں آپ کے اتباع رسول کا بین ثبوت تھا وہاں یہ آپ کے شرم وحیا اور عفت وپاکدامنی کا بھی ایک بہترین شاہکار تھا بلکہ آپ کے اکثر سوانح نگار لکھ رہے ہیں کہ آپ جب سواری پر کہیں تشریف لیجاتے تھے تو دوران سفر اپنے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے۔ کہ نگاہ کہیں کسی غیر محرم پر نہ پڑ جائے (زبدۃ المقامات ۲۸۸) حالانکہ اتفاقاً اگر کسی غیر محرم پر نگاہ پڑ جائے تو پہلی نگاہ معاف ہوتی ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ "حضرت جریر بن عبد اللہ نے حضور سے سوال کیا کہ اگر اچانک نگاہ پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا فوراً نگاہ پھیر لو۔ (صحیح مسلم) ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ اے علی! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا۔ کیونکہ پہلی نظر تمہیں معاف ہے لیکن دوسری نظر معاف نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد، ترمذی سنن دارمی)

تو چونکہ حضرت امام ربانی رخصت پر عمل نہیں فرماتے تھے بلکہ ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے تھے جیسا کہ آپ نے سجدہ تعظیمی سے انکار کر کے دربار جہانگیر کے مفتی سے فرمایا تھا کہ جاں بچانے کے لئے سجدہ تعظیمی کر لینا یہ رخصت ہے عزیمت نہیں جبکہ ہزاروں صحابہ اور مقبولان الٰہی نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی لیکن رخصت پر عمل نہیں کیا۔ لہذا میں بھی رخصت پر عمل نہیں کرونگا۔ اسی طرح یہاں بھی اگرچہ پہلی نظر معاف تھی لیکن آپ نے یہاں بھی رخصت پر عمل نہیں فرمایا بلکہ عزیمت پر عمل کر کے اپنے چہرہ مبارک پر رومال ڈال لیا تا کہ اس پہلی نظر سے بھی بچ جائیں جو کہ عام مومنین کے لئے معاف ہے اور اس میں مسلمانوں کو رخصت

دی گئی ہے۔

تواضع وانکساری : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی امامت کرا کے، معراج کی رات لامکاں میں اپنے پاس بلا کے، خاتم النبین اور محبوب رب العالمین کا تاج آپ کے سر پر سجا کر اپنی ساری مخلوقات حتیٰ کہ سارے انبیاء و رسل میں آپ کو سب سے اعلیٰ وارفع اور افضل و برتر بنا کر مبعوث فرمایا اور قرآن پاک کی آیۂ مبارکہ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ من كَلَّمَ اللّٰهَ ورفع بَعْضَهُمْ درجات " میں آپ کی فضیلت کا اعلان عام فرمایا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے "لا تفضلونی علےٰ یونس بن متی " کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت مت دیا کرو۔ جب لوگ آپ کے چہرہ انور میں ہیبت حق دیکھ کر لرزہ بر اندام ہو جایا کرتے تھے تو آپ بطور تواضع فرمایا کرتے تھے میں تو ایک عبد ہوں، عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں "وَ اَنا ابن امراء ة كانت تاكل القديد "اور میں اس عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔

اس حسین و جمیل وصف میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے نبی رؤف و رحیم کا کامل اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس پر وہ واقعات شاہد ہیں کہ جب آپ نے اپنے مرشد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اکتساب فیض کر کے اپنے باطنی مدارج طے کئے اس کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں اور رب کے خاص فضل کی بناء پر آپ روحانیت میں اس اعلیٰ وارفع مقام پر پہنچے کہ آپ کے مرشد بھی بعض روحانی مسائل کے حل کے لئے آپ سے بذریعہ مکتوب استفسار فرمانے لگے تو آپ نے کس طرح تواضع کا اظہار فرمایا۔ اس کا اندازہ آپ کے ان مکاتیب اور آپ کے اس طرز عمل سے بخوبی ہو سکتا ہے جو آپ نے اپنے مرشد کے سامنے روا رکھا۔

تسامح : اگرچہ بعض سوانح نگار حضرات نے ان کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ "اس قسم کی باتیں زبدۃ المقامات میں نظر سے نہیں گزریں۔ لہذا ایسی عقیدت مندانہ باتیں ایک محقق کے لئے قابل توجہ نہیں اور سوانحی دیانتداری کے سراسر خلاف ہیں"۔ تعجب ہے کہ زبدۃ المقامات کی اس سے متعلق عبارات ان سوانح نگار حضرات کی نگاہوں سے او جھل رہیں، حالانکہ زبدۃ المقامات اور حضرات القدس میں حضرت

خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاتیب مبارکہ کے حوالہ سے بعض مسائل میں آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کا آپ سے استفسار کرنا اور آپ کا اپنے شیخ کی رہنمائی کرنا روز روشن کی طرح چمکتا ہوا نظر آرہا ہے۔ چند عبارات پیش خدمت ہیں۔ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات میں تحریر فرماتے ہیں۔

لو

"اسی طرح حضرت خواجہ باقی باللہ بعض علوم طریقت کی باریکیاں اور ارباب معرفت و تحقیق کے مقامات و درجات کے متعلق بھی استفسار فرماتے تھے اور جو کچھ حضرت (مجدد) ان امور کے متعلق عرض کرتے وہ آپ کے دل کے اطمینان کا موجب ہوتا اور بہت زیادہ شکر زبان پر لاتے"۔

پھر خواجہ محمد ہاشم اور خواجہ بدرالدین نے حضرت خواجہ باقی باللہ کا وہ تفصیلی مکتوب نقل فرمایا جس میں انہوں نے حضرت امام ربانی سے چند روحانی امور کے متعلق استفسار فرمایا ہے۔ اس مکتوب گرامی کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ اپنے مرید حضرت امام ربانی سے اپنے مکتوب گرامی میں استفسار کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"نیز حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام پر بھی نظر ڈالیں کہ اس مقام میں داخل ہو کر نزول میں آئے ہیں یا دوسرے راستہ سے کنارہ پر آئے ہیں۔ ممکن ہے ان کا اس مقام میں برقرار نہ رہنا مخلوقیت فوق نقطہ کے سبب سے ہے۔ آپ اللہ واسطے عنایت فرما کر اچھی طرح تفتیش فرمائیں۔ مجھے اس بات کے معلوم کرنے کا بہت انتظار ہے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ فنائے بشریت کے بارے میں بھی توجہ فرمائیں کہ یہ مقام فنافی اللہ سے الگ کوئی مقام رکھتی ہے یا اس ہی مقام میں داخل ہونے پر اس کا انحصار ہے۔ آلخ۔ باقی حالات اس عاجز کے آپ کو خوبی معلوم ہیں اس لئے کیا عرض کیا جائے اتنے بہت سے انسانی علامات اور مقامات خود مجھے معلوم نہیں اس لئے ان کا ذکر کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی مرضی کے مطابق عرض کیا جائیگا۔ " (زبدۃ المقامات ص ۲۲۰ / حضرات القدس ص ۴۴ / ۴۵)

ایک اور مکتوب گرامی میں حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت امام ربانی کو مخاطب کرتے ہوئے

فرماتے ہیں :

"حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں لیکن اگر وہ اس زمانے میں زندہ ہوتے تو باوجود پیر ہونے کے وہ میرے مرید ہوتے۔ جب ایسے مستغنی عن الصفات بزرگوں کی صفت کا یہ حال ہے تو پھر ہم جیسے گرفتاران آثار و صفات کیوں نہ آپ کی طلب گاری کے لوازم پر جان چھڑکیں اور جس جگہ سے مشام جاں میں خوشبو آئے اس کے پیچھے کیوں نہ جائیں ۔ (حضرات القدس ص ۴۲ / زبدۃ المقامات ص ۲۲۴)

خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ :

"پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ تازہ اور مخصوص احوال جو حضرت مجدد کی استعداد کے مطابق ظہور میں آئے سافل سے عالی کی روایت کے طریقہ پر جیسا کہ محدثین میں سے بعض اساتذہ نے اپنے شاگردوں سے حدیث اخذ کی ہے حضرت خواجہ بزرگوار نے ان احوال کو اپنے ایسے عالی قدر نائب سے اخذ فرمایا اور حضرت (مجدد) سے ان چیزوں کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا جو ضمیر منیر میں ہے۔ حضرت (مجدد) نے مجسمہ تواضع وانکساری بن کر معذرت کی راہ اختیار کی مبادا یہ کہ یہ اپنے حق میں امتحان ہو اور ترک ادب کا سبب ہو لیکن چونکہ حضرت خواجہ کا اصرار اس حد تک پہنچا کہ امر واجب الاطاعت کا نہ بجا لانا ترک ادب تک پہنچتا تو مجبوراً حضرت مجدد نے پورے ادب واحترام اور تواضع کے ساتھ عرض کیا کہ حاصل ہونے والے احوال حاضر خدمت ہیں"۔

"نیاز مندی کا طریقہ جو مریدوں کو پیروں کے ساتھ اختیار کرنا چاہیئے آپ اپنے بزرگوار خلیفہ حضرت مجدد کے ساتھ اختیار کرتے تھے چنانچہ اپنے سامنے اپنے ساتھیوں میں ان کو سر حلقہ رکھتے اور صبح وشام کے مراقبوں کے حلقوں میں ان کو مقتداء بناتے اور خود تمام مریدوں کی طرح اس حلقہ میں داخل ہوتے جب اس مجلس یا حلقہ سے واپس ہوتے جس میں حضرت مجدد ہوتے تو کئی قدم قہقری طور پر رکھتے (یعنی آگے منہ کر کے پیچھے کی طرف چلتے)

حضرت خواجہ بزرگوار (باقی باللہ) آخر کار میں فرماتے تھے کہ اواخر میں ہم کو فلاں کی صحبت کے اثر سے (اور اشارہ حضرت مجدد کی طرف ہوتا تھا) معلوم ہوا کہ توحید ایک تنگ کوچہ تھا اور اس کے

اور وسیع شاہراہ ہے۔ آپ کے کلام کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔
(زبدۃ المقامات ص ۲۲۲ / ۲۲۵)

ان اقتباسات سے حضرت خواجہ باقی باللہ کی نگاہوں میں آپ کی عظمت و شوکت اور روحانیت میں آپ کے علو مرتبت کا پتہ بھی چل گیا اور اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چل گیا کہ آپ نے اتنا اعلیٰ مرتبہ پانے کے باوجود تواضع وانکساری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ بلکہ اپنے مکتوب گرامی میں تو آپ نے تواضع اور انکساری کو اپنے کمال پر پہنچاتے ہوئے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں اپنے لئے یہاں تک الفاظ تحریر فرمادیئے کہ :

"فقیر خود سے ایک کافر فرنگ اور ملحد زندیق کو بدرجہا بہتر جانتا ہے اور سب سے بدتر خود کو سمجھتا ہے" (حضرات القدوس ص ۱۲۶)

بعض بد خواہوں نے حضرت امام ربانی کے متعلق یہ اڑادیا کہ آپ خود کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی حضرات القدس میں فرماتے ہیں کہ جس کی تواضع اور عاجزی کا یہ عالم ہو کہ وہ خود کو کافر فرنگ اور ملحد زندیق سے بھی بدتر سمجھتا ہو بھلا وہ اس ذات سے اپنے آپ کو افضل کیسے کہہ سکتا تھا جو انبیاء کے بعد سب سے افضل اور اعلیٰ ہو۔

حضرت امام ربانی نے یہ الفاظ لکھ کر صرف زبانی تواضع اور انکساری کا اظہار ہی نہیں فرمایا بلکہ اپنے پیر بزرگوار کے سامنے عملی طور پر آپ ہر وقت تواضع وانکساری کا اظہار فرماتے رہتے تھے اور اس پر ایک یہ واقعہ بھی شاہد ہے کہ "ایک روز حضرت امام ربانی دھلی میں مسجد فیروز آباد کے ایک حجرہ کے اندر عبادت اور یاد الہٰی میں مصروف و منہمک تھے کہ اتنے میں آپ کے مرشد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لے آئے جب انہوں نے آپ کو مصروف دیکھا تو حجرہ کے باہر ہی آپ کے انتظار میں بیٹھ گئے خادم نے چاہا کہ آپ کی آمد سے حضرت امام ربانی کو مطلع کر دے لیکن آپ نے اس کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ جب حضرت امام ربانی ذکر سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ باہر کون بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نے خود ہی جواب دیتے ہوئے فرمایا 'فقیر محمد باقی باللہ ہے' بس یہ سن کر آپ بے قرار ہو گئے اور فوراً دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے اور نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں مودب ہو کر بیٹھ گئے۔ (حضرات القدس ص ۴۶)

پیر اگر اپنے کسی مرید کا ادب کرلے اور اسکو تھوڑی سی عزت دے دے تو نہ معلوم اس مرید کا دماغ کہاں سے کہاں چڑھ جائے۔ اور پھر وہ اپنے پیر کو بھی خاطر میں نہ لائے لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ کی اپنے اس باوفا اور باکمال مرید حضرت امام ربانی پر جتنی بے پناہ الطاف و نوازشات تھیں ان سب کے باوجود آپ اپنے پیر کے ادب و احترام میں سر مو فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ بلکہ اپنے پیر کی عظمت و ہیبت جو آپ کے دل میں موجود تھی آپ نے آخر تک اس میں بھی ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیا چنانچہ حضرت خواجہ حسام الدین فرماتے ہیں کہ مجھے ایک شخص نے یہ واقعہ سنایا کہ جس زمانے میں ہمارے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت امام ربانی پر بہت زیادہ التفات اور توجہ فرمایا کرتے تھے ان ایام میں ایک روز حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کو یاد فرمایا جب قاصد پیغام لیکر گیا کہ مرشد آپ کو یاد کر رہے ہیں تو یہ سنتے ہی اور مرشد کی ہیبت اور جلال سے معمور بارگاہ میں حاضری کے خوف سے آپ کے چہرہ انور کا رنگ زرد ہو گیا اور خوف کے مارے آپ لرزہ بر اندام ہو گئے اور ایک رعشہ کی سی کیفیت آپ کے اندر پیدا ہو گئی۔ اللہ اکبر! ایک وہ شخص جو خود آپ کا ادب کر رہا ہو آپ کے حلقہ میں مریدوں کی طرح باادب بیٹھتا ہو اور واپسی پر الٹے پاؤں پیچھے لوٹتا ہو اس کا اتنا ادب و احترام کہ اس کی بارگاہ میں حاضری کے خوف سے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جائے یہ تواضع و انکساری کی ایک نادر و نایاب مثال ہے۔

حُسن معاشرت : مخلوق خدا کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ برتاؤ ان کے کام کرنا یہ بھی آنحضرت ﷺ کے اخلاق عظیمہ میں سے ایک بہترین اور بے مثال "خلق عظیم" تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی آپ کے اسی حُسن معاشرت کے پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ولا یانف ان یمشی مع الارملہ و المسکین فیقضی لہ الحاجۃ" (سنن نسائی / سنن دارمی) کہ بیوہ اور مساکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ کبھی عار محسوس نہیں فرمایا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مدینہ میں ایک پاگل عورت تھی جس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا لیکن ایک روز وہ حضور کے پاس آگئی اور حضور کا دست اقدس پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے چل کر میں تیرا کام کر دیتا ہوں۔ وہ ایک گلی میں لیجا کر آپ کو بیٹھ گئی اس نے اپنا کام بتایا حضور نے اسی وقت اس کی حاجت پوری فرمادی۔ (صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، اخلاق و آداب)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی سیرت مقدسہ کے اندر ہمیں اس صفت میں بھی اتباع

مصطفےٰ علیہ السلام کی جھلک نظر آتی ہے۔ ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالیئے کہ ایک دفعہ ایک امیر نے یہ سنا کہ آپ خود چل کر بادشاہ کے ایک وزیر کے یہاں تشریف لے گئے تھے اسے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ایک فقیر اور بادشاہ کے وزیر کے پاس جائے اس نے کہا کہ آپ کے شان کے لائق نہیں تھا کہ آپ اس وزیر کے یہاں تشریف لے جاتے کسی نے اس کو جواب دیا کہ ہو سکتا ہے آپ مسلمان کی کوئی مشکل آسان کرنے کے لئے، اس کی حاجت پوری کرنے کے لئے یا کسی امور دین میں سے کسی تبلیغ کے کام کے لئے وہاں تشریف لے گئے ہوں لہذا خواہ مخواہ کسی اللہ کے مقبول پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ لیکن وہ شخص اپنی بات پر مصر رہا۔ رات کو جب وہ سو گیا تو اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ اس کو پکڑ کے کھینچتے ہوئے کہیں لیجا رہے ہیں اور چھریاں نکال کر اس کی زبان کاٹنا چاہتے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ چونکہ اس نے حضرت مجدد الف ثانی پر اعتراض کیا ہے لہذا اس کی زبان کاٹ دو۔ اس نے خواب ہی میں بڑی توبہ واستغفار کی اور اپنے اعتراض پر بڑی ندامت کا اظہار کیا تو ترس کھا کر ان لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ یہ خواب دیکھ کر جب وہ جاگا تو اس نے صدق دل سے توبہ کی کہ اب وہ کسی اللہ کے ولی کی شان میں گستاخی نہیں کریگا بالخصوص حضرت امام ربانی کی عظمت کا دل سے معترف ہو گیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ مخلوق خدا کے کام کرانے اور ان کی حاجت روائی کے لئے اگر وزیروں کے پاس بھی آپ کو جانا پڑتا تھا تو آپ اس سے بھی گریز نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ ان کا کام کرا کے اتباع سنت کی فضیلت سے خود کو ہمکنار کر لیا کرتے تھے۔

عفوودرگزر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عفوودرگزر کی جو شان عطا فرمائی تھی تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالئے اور صاحبِ خلق عظیم کی شان عفوودرگزر کو ملاحظہ کیجئے کہ ایک دیہاتی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا ہے اور حضور کی چادر مبارکہ کو اتنے زور سے کھینچتا ہے کہ آپ کی گردن مبارک میں اس کا نشان پڑ گیا اور خراش آگئی پھر کہنے لگا کہ یہ دو اونٹ غلہ سے لاد کر مجھے دے دو کیونکہ یہ غلہ نہ تمہارا ہے نہ تمہارے باپ کا آپ نے بڑے تحمل سے فرمایا کہ یہ تو نے سچ کہا کہ یہ نہ میرا ہے نہ میرے باپ کا یہ تو مال اللہ کا ہے تجھے دو اونٹ لاد کر یہ مال دے دیا جائیگا لیکن تو نے جو اتنے زور سے چادر کھینچ کر مجھے ایذاء پہنچائی اس کا بدلہ تو تجھے دینا پڑیگا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں کبھی اس کا بدلہ نہیں دونگا۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں دیگا۔ اس نے کہا اس لئے کہ آپ کبھی برائی کا

بدلہ برائی سے نہیں لیتے۔ اس کی اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور ایک صحابی کو بلا کر فرمایا کہ اس کے دونوں اونٹ لاد کر دے دو ایک اونٹ کھجور سے بھر کر دے دو دوسرا غلہ سے بھر کر دے دو۔ (زرقانی علی المواہب اللدنیہ۔ لعلامہ قسطلانی ج ۴ ص ۲۵۴)

آپ کی سیرت مقدسہ میں عفوودرگزر کی اس سے بڑی مثال ہمیں اس وقت نظر آتی ہے جب فتح مکہ کے موقعہ پر کافروں اور مشرکوں کو پکڑ کر آپ کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔ ان میں وہ بھی ہیں جو مکہ کے قیام کے دوران حضور پر نجاست لا کر ڈالا کرتے تھے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو حضور کے قدموں کے نیچے کانٹے بچھا کر آپ کو لہولہان کر دیا کرتے تھے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو آپ کو مجنون اور پاگل کہہ کے آوازیں کسا کرتے تھے۔ آج صحابہ کرام صرف حضور کی ایک اشارہ ابرو کے منتظر تھے تاکہ آج ان کی لاشوں کو خاک و خون میں تڑپا کر نبی کو ایذاء پہنچانے والے ایسے ظالموں سے زمین کو ہمیشہ کے لئے پاک کر دیں لیکن اس چشم فلک پیر نے یہ بھی منظر دیکھا کہ آپ نے جب ان توہین و گستاخی کرنے والوں سے، ان ایذاء پہنچانے والوں سے اپنے ان جانی دشمنوں سے پوچھا کہ بتاؤ آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرونگا۔ تو سب نے ایک زبان ہو کر آپ کی شان عفو کو پکارتے ہوئے کہا کہ آپ رحیم و کریم بھائی ہیں ہمیں پتہ ہے کہ آپ ہم پر رحم و کرم کے علاوہ اور کوئی سلوک نہیں کرینگے۔ اس پر آپ نے ان سب کو معاف کرتے ہوئے فرمایا "لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء" تم پر آج کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں! جاؤ تم سب آزاد ہو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جن کی زندگی کا مطمع نظر صرف اور صرف اپنے محبوب نبی کا کامل اتباع تھا وہ اس عفوودرگزر کے وصف میں بھی اپنے نبی کا اتباع کر کے اپنے جانی دشمنوں اور اپنی توہین و گستاخی کرنے والوں کو معاف کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی نے آپ کے عفوودرگزر کا ایک واقعہ بڑی تفصیل سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ تاج، ہندوستان کے مشہور اور باکمال بزرگوں میں سے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ کے کامل خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کے بعد جب حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مرشد کے انتقال پر تعزیت کے لئے دہلی تشریف لائے تو حضرت خواجہ باقی باللہ کے تمام مریدوں نے اپنے مرشد کا جو طرز عمل دیکھا ہوا تھا اس کے مطابق آپ کا بڑا ادب و احترام کیا آپ سے تجدید بیعت کی اور آپ کے حلقہ مراقبہ میں

آ کر سب شریک ہوئے لیکن بعض حاسدین کے کہنے میں آ کر حضرت خواجہ باقی باللہ کے خاص خلیفہ حضرت شیخ تاج نے آپ کی سخت مخالفت شروع کر دی جس سے حضرت امام ربانی کے قلب کو بڑی ایذاء پہنچی اور آپ اپنے شہر سرہند شریف واپس لوٹ آئے اور یہاں مخلوق خدا کو فیض پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ ادھر حضرت امام ربانی کی مخالفت اور انکار کے باعث حضرت شیخ تاج کی روحانی ترقیات رک گئیں۔ وہ دھلی کے بڑے بڑے اولیائے کرام کی طرف حصول فیض کی غرض سے متوجہ ہوئے لیکن ان حضرات کی طرف سے آپ کو کوئی فیض عطا نہیں کیا گیا۔ ایک روز خواب میں آپ نے ان حضرات اولیاء کرام سے اس کی وجہ دریافت کی تو ان سب نے آپ سے کہا کہ تم نے اس وقت کے سب سے کامل بزرگ کا انکار کیا ہے ان کی بے ادبی کی ہے اس کی وجہ سے تمہاری یہ کیفیت ہے بلکہ بعض اولیائے کرام نے آپ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ احمد سرہندی جیسے اولیائے کرام کی گستاخی اور بے ادبی سے ایمان سلب ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے لہذا تم اس سے فوراً توبہ کرو۔ حضرت شیخ تاج نے اسی عالم مراقبہ میں حضرت امام ربانی کو ان اولیائے کرام کے درمیان جلوہ گر دیکھا تو آپ کے قدموں میں گر کر اپنی غلطی کی معافی چاہی جس پر حضرت امام ربانی نے فرمایا تم جیسوں سے تعجب ہے۔ تم جیسوں سے تعجب ہے۔ تم جیسوں سے تعجب ہے انہوں نے پھر دوبارہ بڑی تضرع وزاری کے ساتھ آپ سے معذرت کی تو آپ نے فرمایا اچھا! ہم نے معاف کیا۔ حضرت شیخ تاج نے بیدار ہوتے ہی حضرت امام ربانی کی مخالفت پر اللہ سے توبہ اور استغفار کی اور اپنے ایک ساتھی مولانا قلیج کو خط لکھا کہ آپ حضرت امام ربانی کو خط لکھ کر میری ان سے سفارش کریں اور ان کو لکھیں کہ جس طرح آپ نے مجھے خواب میں معاف کیا ہے اسی طرح آپ حقیقت میں بھی مجھے معاف فرما دیں اس کے علاوہ ایک خط خود حضرت امام ربانی کو معافی کا ارسال کیا اس کے بعد جب حضرت امام ربانی حضرت خواجہ باقی باللہ کے عرس شریف کے موقعہ پر دھلی تشریف لائے تو شیخ تاج نے نہ صرف یہ کہ آپ کا استقبال کیا بلکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطیوں کی آپ سے معافی طلب کی تو آپ نے ان کو اسی وقت معاف فرما دیا۔ بلکہ ان کے نام مکاتیب شریفہ میں آپ کا ایک مکتوب گرامی بھی ہے (مکتوب ۲۹ دفتر اول) اس میں بھی آپ نے ان کو تحریری طور پر معاف فرمانے کا ذکر فرمایا ہے۔ (حضرات القدس ص ۲ / ۴۸ تا ۵۲)

ثمرہ اتباع: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی

یُحبِبکُم اللّٰہ" کہ تم میرے محبوب کا اتباع کرلو میں تم کو اپنا محبوب بنالوں گا۔ اور مشہور حدیث قدسی کے مطابق جب وہ کسی کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اس کے ہاتھ بن جاتا ہے، جس سے وہ بندہ پکڑتا ہے (مشکوٰۃ، بخاری) چنانچہ اپنے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو ان کے کامل اتباع رسول کے باعث ان کو اپنا محبوب بنالیا پھر وہ اس مقام پر پہنچے کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر اس مقام محبوبیت کو مکتوبات شریف میں خود حضرت امام ربانی یوں بیان فرماتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مراد بھی ہوں، میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم لامتناہی کا مجتبیٰ ہوں۔ (مکتوبات شریف، دفتر سوم مکتوب ۸۷)

چونکہ آپ اللہ کے محبوب تھے اسلئے آپ کو ولایت بھی وہ ولایت عطا کی گئی جو ولایت محمدی کی پروردہ ہے اور جس میں نسبت محبوبی پائی جاتی ہے اگرچہ آپ کو ولایت موسوی سے بھی سرفراز فرمایا گیا جس میں نسبت مُحبیت پائی جاتی ہے لیکن وعدہ الٰہی یحببکم اللہ کے بموجب ان دونوں میں بھی ولایت محمدی سے نسبت کے باعث، نسبت محبوبیت آپ پر غالب رہی چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"اس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی علیٰ صاحبہما الصلوٰۃ والسلام کی پروردہ ہے اور ان دو اکابر علیہما الصلوٰۃ والسلام کی طفیل نسبت محبوبی و نسبت محبی سے مرکب ہے کہ محبوبین کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور محبین کے سردار حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن حضرت خاتم المرسلین علیہ و علیہم آلہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے میرے ولایت کا کاروبار ہی دوسرا ہے" (مکتوبات شریف، دفتر سوم مکتوب ۹۵)

ایک اور مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں۔

"اور یہ فقیر چونکہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی علیٰ صاحبہما الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ دونوں کا پروردہ ہے اس مقام ملاحت میں اقامت اور سکونت رکھتا ہے اور ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے محبوبیت کی نسبت غالب ہے اور مُحبیت کی نسبت مغلوب و مستور ہے" (مکتوبات

شریفہ، دفتر دوم مکتوب ۴)

پھر ایسا بندہ اللہ نور السمٰوات والارض کا محبوب بن کر قرب کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کا نور ہدایت ایک بحر بیکراں کی طرح تمام عالم کو محیط ہو جاتا ہے، پھر فرش لیکر عرش تک جس کو بھی جو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت ملتا ہے وہ اسی محبوب کے ذریعہ اور توسل سے ملتا ہے۔ بغیر اس کے وسیلہ کے کوئی اس دولت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی مقام کو قطب الاقطاب اور قطب ارشاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو محبوبیت کے اس اعلیٰ ترین مقام قرب سے بھی سر فراز فرمایا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب مبداء و معاد میں اس مقام کی مندرجہ بالا تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خلعت قطبیت ارشاد عنایت فرمائی اور اس منصب سے سر فراز فرمایا۔ (مبداء و معاد ص ۴ / ۷ / ۸)

پھر اس مقام پر پہنچنے کے بعد محبوب سے کوئی پردہ نہیں ہوتا اس سے براہ راست کلام بھی کیا جاتا ہے اور اس کو اپنا جلوہ بھی دکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نعمتوں اور عنایتوں سے بھی آپ کو سر فراز کیا گیا۔ چنانچہ روئیت کے متعلق آپ فرماتے ہیں :

> "اگرچہ دنیا میں روئیت (الٰہی) نہیں ہوتی لیکن یہ بے روئیت بھی نہیں ہے۔ یہ وہ عظیم دولت ہے جو صحابہ کرام کے بعد بہت کم کسی کو نصیب ہوئی ہے اگرچہ یہ بات بعید و عجیب سی ہے اور اکثر لوگ اس کو قبول نہیں کرینگے لیکن تحدیث نعمت کی جارہی ہے کم سمجھ لوگ اس کو قبول کریں یا نہ کریں۔ یہ نسبت کل کے روز اکمل طریقہ سے حضرت مہدی علیہ الرضوان پر ظاہر ہو گی۔ (مبداء و معاد منہا ۹ مکتوبات شریف دفتر ۲ مکتوب ۴)

اسی طرح اللہ کے ساتھ بلاواسطہ کلام کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا :

"واضح ہو کہ بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کبھی بلاواسطہ کلام کرتا ہے جیسا کہ انبیاء علیھم السلام میں سے بعض کیساتھ ہوا ہے اور کبھی انبیاء علیھم السلام کے کامل متبعین میں سے بھی بعض کو بطریق وراثت یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس طریقہ کا کلام امت کے کسی فرد کو بکثرت حاصل ہو تو وہ شخص "محدث" کہلاتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ کلام الٰہی القائے قلبی سے مختلف ہے۔ فرشتے کے ساتھ جو کلام ہوتا ہے اس کی نوعیت بھی یہ نہیں۔ اس کلام کا مخاطب صرف وہ انسان کامل ہے جو عالم امر، عالم

روح و نفس اور آلہ عقل و خیال کا جامع ہو اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور وہ فضل عظیم والا ہے۔ (حضرات القدس ۲/ ۸۵ مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۵۱)

آپ کے مرشد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مقام کو محبوبیت اور مرادیت کے مرتبہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے حصول کی آپ کو خوشخبری سنائی تھی۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۱۱ / ۲۵۲)

جو محبوب ہوتا ہے اس پر بے شمار الطاف و نوازشات کی بارشیں کی جاتی ہیں، چونکہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی افعال اقوال اعمال صورت سیرت عبادات و معاملات الغرض ہر چیز میں اتباع رسول کر کے اللہ کے محبوب بن گئے تھے اس لئے آپ کو بے پایاں نوازشات اور عنایات سے سرفراز فرمایا گیا اور اس پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آپ ایک روز مراقبہ میں مصروف تھے کہ آپ نے آہٹ محسوس کی کہ کوئی آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا ہے آپ نے اس طرف توجہ فرمائی تو پتہ چلا کہ وہ حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت امام ربانی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں ایک اجازت نامہ لکھ کر دوں جو میں نے اس سے قبل آج تک کسی کو لکھ کر نہیں دیا حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے ایک اجازت نامہ عطا فرمایا جس کے ایک طرف اس جہاں سے متعلق اور اس کی دوسری طرف دوسرے جہاں سے متعلق بہت بلند اور اعلیٰ عنایات اور الطاف لکھے ہوئے تھے۔ (حضرات القدس ص ۲ / ۱۰۷، بحوالہ مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۱۰۶)

مغفرت کی بشارت : قُل اِن کُنتُم تُحبُو ن اللّٰہَ والی آیہ مبارکہ میں اتباع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والوں کو دو عظیم خوشخبریوں سے سرفراز فرمایا گیا۔ ایک تو یہ کہ انکو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش اور مغفرت بھی فرما دیتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی محبوبیت کا پتہ تو چل گیا لیکن اس اتباع پر جس دوسرے انعام یعنی مغفرت کا ذکر ہے وہ رہ گیا تھا اسلئے ایک اور موقعہ پر اس دوسرے انعام سے سرفراز کرنے کا اعلان بھی فرما دیا گیا۔ اور اس کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک روز آپ حلقہ مراقبہ میں تھے اس وقت آپ پر اپنے اعمال کی کوتاہی اور تضرع وانکساری کا غلبہ تھا، رب کی رحمت جوش

میں آئی اور غیب سے ندا ہوئی کہ غفرت لك ولمن توسل بك بواسطه اوبغير واسطة الى يوم القيامة کہ اے احمد سرہندی! ہم نے تم کو بھی بخش دیا تمہاری مغفرت بھی کر دی اور جو قیامت تک بالواسطہ یابلاواسطہ تمہارا وسیلہ لیکر ہماری بارگاہ میں آئیگا ہم نے اس کو بھی بخشدیا اور اس کی بھی مغفرت فرمادی۔

حضرت امام ربانی نے اپنی تصنیف لطیف مبداء و معاد میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص انعام واکرام کا بڑی تفصیل کے ساتھ خود ذکر فرمایا ہے (زبدۃ المقامات ص ۲۵۶)

محبوبیت کاملہ : چونکہ حضرت مجدد الف ثانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع کامل تھے اس لئے آپ کو محبوبیت بھی کامل عطا کی گئی۔ اور محبوبیت کاملہ یہ ہے کہ محبوب تو محبوب ہوتا ہے لیکن جو اس محبوب کے دامن سے وابستہ ہو جائے جس کو اس محبوب سے ادنیٰ سی نسبت ہو جائے وہ بھی محبوب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی اسی محبوبیت کاملہ کے منصب پر فائز تھے۔ اور اس کا اظہار اور اعلان رب کی طرف سے اس طرح کیا گیا کہ ایک روز آپ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تراویح ادا کرنے کے بعد کچھ تھکن محسوس فرما رہے تھے اس لئے بستر پر لیٹ گئے اور تھکن کی وجہ سے آپ کو خیال نہ رہا اور آپ بائیں کروٹ پر لیٹ گئے۔ لیٹنے کے بعد خیال آیا کہ لیٹنے کا یہ مسنون طریقہ نہیں کیونکہ مسنون طریقہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں کروٹ پر لیٹا کرتے تھے اور دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھا کرتے تھے لہذا اس مسنون طریقہ سے لیٹنا چاہیئے۔ لیکن تھکاوٹ اور سستی کی وجہ سے کروٹ بدلنا بڑا شاق محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن آپ نے تھکاوٹ کی پرواہ نہیں فرمائی اور سنت کی خاطر اپنا آرام قربان کر کے مسنون طریقہ کے مطابق دائیں کروٹ بدل لی۔ سنت کا اتنا خیال کرنا تھا کہ رحمت خداوندی جوش میں آئی اور غیب سے آواز آئی کہ تم نے چونکہ ہمارے محبوب کی سنت کی اتنی رعایت کی ہے اس لئے ہم نے تم کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کیا اور صرف یہ نہیں کہ ہم تم کو آخرت میں عذاب نہیں دینگے بلکہ اس وقت جو تمہارا خادم تمہارے پیر دبا رہا ہے ہم نے اس کو بھی بخشدیا، ہم آخرت میں اسکو بھی عذاب نہیں دینگے۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۵۷ / حضرات القدس ۱۰۸)

(۲) بلکہ ایک دفعہ تو غیب سے آپ کو یہ عظیم بشارت بھی دی گئی کہ آپ جس کے جنازہ میں شریک ہو جائیں گے اس کو بھی بخشدیا جائے گا۔ اور وہ بھی اللہ کا محبوب ہو جائیگا۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۵۶)

(۳) محبوبیت کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ آپ کی زبان مبارک سے یا آپ کے قلم مبارک سے جو کلمات اور جو تحریریں نکل گئیں ان کی بھی حقانیت اور محبوبیت کی آپ کو بشارت دے دی گئی۔ چنانچہ مکتوبات شریف کے دفتر اول کے اختتام اور دفتر دوم کے شروع کرنے سے پہلے آپکے دل میں بطور تواضع و انکساری کے خیال آیا کہ جو باتیں ہم نے ان مکاتیب میں تحریر کی ہیں نہ معلوم یہ اللہ جل سبحانہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ بھی ہیں یا نہیں؟ یہ خیال آنا تھا کہ غیب سے آواز آئی کہ وہ تمام باتیں جو تمہاری تحریر و تقریر میں آئیں وہ سب ہماری بارگاہ میں پسندیدہ، مقبول اور محبوب ہیں۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۱۹)

(۴) آپ کی اس شان محبوبیت کو مزید ارفع و اعلیٰ مقام عطا کیا گیا اور اس کے دائرہ کو مزید وسعت دیتے ہوئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو مژدہ جانفزاء سنایا گیا کہ کل قیامت کے دن تمہاری شفاعت سے کئی ہزار آدمیوں کو اللہ تعالیٰ بخش دیگا۔ یعنی ان کے گناہوں کو معاف فرما کے ان کو اپنا محبوب بنالیگا۔ اس عظیم بشارت پر آپ نے فرحت و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کھانا پکوا کر وسیع دعوت کا اہتمام فرمایا اور اس دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سنائے گئے اس مژدہ جانفزاء سے اپنے غلاموں کو بھی آگاہ فرمایا۔ اور ساتھ ہی آپ نے اپنے رب کا شکر ان الفاظ میں ادا فرمایا" الحمدللہ الذی جعلنی صلة بین البحرین یعنی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے دو دریاؤں کے درمیان صلہ بنایا۔ یہاں پر آپ نے اپنے لئے صلہ کا لفظ استعمال فرمایا۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد سن کر میرے ایک دوست نے کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ اتنے عظیم واقعہ کی حضور نے خبر نہ دی ہو آؤ ڈھونڈتے ہیں کوئی نہ کوئی حدیث ایسی ضرور ملیگی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ کا لفظ فرما کے حضرت مجدد الف ثانی کی طرف اشارہ فرمایا ہوگا اور ان کے مقام محبوبیت اور مرتبہ شفاعت پر فائز ہونے کی خبر دی ہوگی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے جب ڈھونڈنا شروع کیا تو علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع میں ہمیں یہ حدیث مبارک مل گئی۔ وہ حدیث مبارکہ یہ تھی۔ حضور فرماتے ہیں "یکون فی امتی رجل یقال لہ صلة یدخل الجنة بشفاعته کذاو کذا" کہ میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کو صلہ کہا جائیگا اس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں داخل ہونگے۔ (زبدۃ المقامات ۲۵۸)

آئینہ محبوب: جب ایک محب اتباع کرتے کرتے اپنے محبوب کا آئینہ بن جاتا ہے تو پھر اس میں

محبوب کے اوصاف و صفات کے ساتھ ساتھ اس کے احوال و مقامات اور خصائص و کمالات بھی جلوہ گر ہونے لگتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اس کو احوال و مواجید میں اتباع اور کمالات میں اتباع وغیرہ کے نام دیگر اتباع کے مختلف مراتب اور درجات سے اس کو تعبیر فرماتے ہیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں گذرا کہ آپ کے نزدیک اقوال و اعمال اور اوصاف و اخلاق میں اتباع کے مدارج طے کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس مقام پر فائز کرتا ہے کہ اس کو محبوب کے روحانی احوال و مواجید اور خصائص و کمالات سے متصف کر کے اس میں بھی محبّ کو اتباع کی دولت سے سر فراز فرما دیتا ہے۔

حضرت امام ربانی کو اللہ تعالیٰ نے اتباع کے ان تمام مدارج اور مقامات سے سر فراز فرمایا تھا اور آپ کو اپنے محبوب نبی کے اتباع کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی احوال و مواجید اور خصائص و کمالات سے متصف فرما کر ان میں بھی آپ کو متبع رسول ہونے کا شرف عطا فرما دیا تھا۔

احوال و مواجید میں اتباع : آیئے دیکھیں اتباع کے تیسرے درجہ اور مقام یعنی حضور کے احوال و مواجید میں اتباع سے حضرت امام ربانی کو کیسے سر فراز کیا گیا۔

ذوق و شوق : عبادات میں آنحضرت ﷺ کے ذوق و شوق اور خشوع و خضوع کی کیفیت اور حالت کو بیان کرتے ہوئے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سورۃ البقرہ کی تلاوت شروع کی میں نے دل میں سوچا شاید آپ سورۃ البقرہ کی سو آیتوں تک پڑھیں گے لیکن میں نے دیکھا کہ آپ سو آیتوں سے بھی آگے نکل گئے پھر میں نے خیال کیا کہ شاید آپ یہ پوری سورۃ پڑھیں گے لیکن میں نے دیکھا کہ آپ نے سورۃ بقر ختم فرمانے کے بعد فوراً دوسری سورۃ، سورۃ النساء شروع کر دی، پھر وہ بھی ختم کر کے تیسری سورۃ آل عمران شروع کر دی اور یہ تمام سور تین نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ تلاوت فرمائیں پھر رکوع و سجود قیام کیا وہ بھی اتنا ہی لمبا فرمایا (صحیح مسلم، سنن نسائی، صلوٰۃ)۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں یہ آیۃ مبارکہ تلاوت کی "ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم (ترجمہ اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔)

آپ کو اس میں وہ کیفیت طاری ہوئی کہ ساری رات اسی آیت کو پڑھتے ہوئے گزر گئی اور اسی ایک آیت کی تلاوت کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ (سنن ابن ماجہ، صلوٰۃ الیل)

حضرت امام ربانی بھی اتباع مصطفےٰ کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ذوق و شوق کی کیفیت اور اسی خشوع و خضوع کی حالت سے سرفراز فرمائے گئے، چنانچہ حضرت خواجہ بدر الدین فرماتے ہیں کہ آپ کی تہجد کی نماز میں قرائت اتنی طویل ہوتی تھی کہ تقریباً تین تین پارے آپ تلاوت فرمایا کرتے تھے اور ذوق و شوق کی وہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کیفیت آپ پر بعض دفعہ ایسی طاری ہوتی تھی کہ ایک ہی رکعت کے اندر ساری رات گزر جاتی تھی جب صبح ہونے لگتی تھی تو خادم آکر عرض کرتا تھا کہ حضور! صبح ہونے والی ہے تو اسوقت آپ اپنی نماز مختصر فرما کے سلام پھیر لیا کرتے تھے ۔ (حضرات القدس ص ۸۸)

گریہ و بکا: اسی طرح احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا ذکر بھی آتا ہے کہ خشیۃ الٰہی کے باعث اکثر آپ پر گریہ و بکا کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جب آپ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی "فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بك على هٰؤلاء شهيدا" تو آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ (صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکورہ) ایک دفعہ آپ ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی آپ قبر کے کنارے تشریف فرما تھے کہ یہ منظر دیکھ کر آپ پر اسقدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی پھر آپ نے فرمایا۔ بھائیو! اس دن کے لئے بھی کچھ سامان کر لو۔ (سنن ابن ماجہ۔ باب الحزن)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی متابعت مصطفےٰ میں اس کیفیت سے بھی سرشار ہوتے تھے یعنی خوف الٰہی اور خشیۃ الٰہی کے باعث بعض اوقات آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور بعض دفعہ اس قسم کے حالات اور واقعات بیان کرتے وقت خوف آخرت سے آپ کے رخساروں کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ (حضرات القدس ص ۹۰)

دیدار الٰہی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑا بلند اور ارفع و اعلیٰ

مقام عطا کیا گیا جس کو آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ "رائیت ربی عزوجل فی احسن صورۃ (مشکوۃ) کہ میں نے اپنے رب کو بڑی حسین صورت میں دیکھا (جو اس کی شان کے لائق ہے) اللہ تعالیٰ نے اس عظیم روحانی کیفیت اور حالت سے اتباع رسول کی بدولت حضرت امام ربانی کو بھی سر فراز فرمایا۔ چنانچہ آپ اس کیفیت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

> اس فیقر کو حضور کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس مقام کے اندر آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی کا منظر درپیش ہوتا ہے۔ ان بزرگ (خواجہ باقی باللہ) نے فرمایا کہ نقشبندی نسبت دراصل اسی حضور کا نام ہے۔ اور پورے دس سال اور چند ماہ کے بعد ماہ ذیقعد کے نصف اول میں وہ انتہا جو ابتداء ہی میں بے شمار ابتداؤں اور درمیانی درجوں کے بیشمار پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی نقاب چاک کر کے عیاناً جلوہ گر ہو گئی اور یہ یقین حاصل ہو گیا کہ آغاز میں جو تجلی نظر آئی تھی وہ اسی اسم کی صورت تھی اور وہ اسی پیکر کا سایہ یا پرچھائیں تھی اور اسی مسمی کا ایک اسم تھا (مبداء و معادہ ص ۱۶)

مکتوبات شریف میں اس روحانی کیفیت اور حالت کو آپ نے یوں بیان فرمایا:

> پھر ایک سیاہ رنگ کا نور ظاہر ہوا جو تمام اشیائے عالم کو گھیرے ہوئے تھا۔ میں سمجھا حق تعالیٰ یہی ہے۔ میں نے عرض کیا تو حضرت خواجہ (باقی باللہ) نے فرمایا حق جل سلطانہ مشہود ہے لیکن نور کے پردے میں" (مکتوب نمبر ۹۲ دفتر اول)

کمالات میں اتباع: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال میں اتباع کرنے والے شیخ احمد سرہندی کو اللہ تعالیٰ نے پھر اس مقام محبوبیت پر فائز فرمایا کہ اس محبوب دو عالم ﷺ کے کمالات کی بھی آپ کو جلوہ گاہ بنا دیا، حضرت امام ربانی کی اصطلاح میں یہ پانچواں درجہ ہے اتباع کا جس میں محبوب کے کمالات سے محب کو نواز کر ان کمالات میں بھی محبوب کے اتباع اور ان کی متابعت سے سر فراز کر دیا جاتا ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون کون سے کمالات سے اس محب صادق اور متبع کامل کو سر فراز فرمایا گیا۔

علم غیب کا حصول: علم غیب یعنی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ باتوں کا علم ہو جانا یہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وصف کمال ہے۔ قرآن اس پر شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا یظھر علے غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول" کہ ہم اپنا علم غیب ہر کسی کو ظاہر نہیں کرتے مگر جو ہمارے پسندیدہ اور چنے ہوئے رسول ہوتے ہیں ان کو ہم علم غیب سے نواز دیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسا علم غیب عطا فرمایا گیا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے اور مکہ میں حضرت عباس جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے وہ جنگ بدر مین مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے رات کی تاریکی میں اپنی بیوی ام فضل کو لیکر مکہ کے لق ودق صحراء میں ایک جگہ پر اپنا سارا مال و دولت سیم وزر دفن کر دیا تاکہ جنگ کے بعد یہ زیور انکے کام آجائے۔ جب جنگ بدر میں کافروں کو شکست ہوئی ستر مارے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے انمیں سے ایک قیدی حضرت عباس بھی تھے۔ جب وہ حضور کے سامنے پیش کئے گئے تو حضور نے ان سے فرمایا کہ دوسرے قیدیوں کی طرح تم بھی فدیہ دے دو تو تم کو بھی رہا کر دیا جائیگا۔ حضرت عباس نے فرمایا کہ میں غریب ہوں میرے پاس مال نہیں میں کیسے فدیہ ادا کرونگا۔ یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا کہ اے چچا! میرے سامنے اتنی غلط بیانی نہ کرو۔ وہ مال و دولت اور سونا جو کل رات کی تاریکی میں مکہ میں فلاں جگہ پر تم نے دفن کیا تھا وہ تمہارا نہیں تو کس کا ہے۔ حضرت عباس حضور کی اس غیب دانی کو دیکھ کر اسی وقت کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی وصف کمال کے حصول میں حضور کے اتباع کی بدولت حضرت امام ربانی کو بھی متابعت کے شرف سے سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ اس پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے جب آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کیا تو آپ کے مخلصین مین ایک اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اس زمانہ میں ایک شخص ایسا منتر اور عمل جانتا تھا کہ ظہر سے عصر تک اس عمل کو پڑھا جائے تو دشمن ہلاک ہو جاتا تھا۔ حضرت امام ربانی کے ایک مرید نے اپنے مرشد کی محبت میں اس شخص سے وہ منتر اور عمل حاصل کیا اور اس کو ایک کاغذ میں لکھ کر اپنے مکان کی چھت میں حفاظت سے رکھ دیا اور تہیہ کر لیا کہ منگل کو بادشاہ کے خلاف یہ عمل پڑھونگا۔ اسی رات خواب مین اس مرید کو حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور خواب میں آپ نے بڑے تعجب سے فرمایا کہ میرے مرید ہو کر ایسا عمل پڑھتے ہو ہرگز اس عمل کو نہ پڑھنا۔ صبح جب سو کر اٹھا تو اس نے حضرت کے حکم کے پیش نظر وہ عمل پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب حضرت

قید سے رہا ہو کر سرھند شریف پہنچے تو ایک خلقت آپ کی زیارت اور آپ کے استقبال کے لئے امنڈ پڑی یہ مرید بھی سرہند شریف حاضر ہوئے اور وہاں پہنچ کر دل مین یہ خیال لائے کہ وہ تو خواب کی بات تھی اگر آج حضرت نے ظاھری طور پر بالمشافہہ مجھے منع نہیں فرمایا تو میں ایک بار تو ضرور اس عمل کو دشمن کے خلاف آزماؤنگا۔ حضرت جب سب لوگوں کو رخصت فرما کر اندر تشریف لیجانے لگے تو گھر کے دروزہ پر کھڑے ہو کے آپ نے اس مرید کا نام لیکر فرمایا کہ اس کو بلا کر میرے پاس لاؤ جب یہ مرید حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا وہ ہندی عمل مت پڑھنا۔ اس مرید نے شرمندگی کیوجہ سے انکار کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ۔اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے ایسی غلط بیانی کیوں کرتے ہو، آپ نے اس جادوگر کا نام بتاتے ہوئے فرمایا کہ کیا فلاں جادوگر سے تم نے یہ عمل نہیں سیکھا؟ اور اس نے وہ عمل جس کاغذ پر لکھ کر دیا ہے وہ تم نے اپنے گھر کی چھت کی فلان لکڑی میں نہیں رکھا؟ آپ نے فرمایا یاد رکھو جادو حرام ہے لہذا اس کاغذ کو پھاڑ کر پھینک دینا اور اس عمل کے قریب بھی جانے کی کوشش نہ کرنا۔ جب یہ مرید خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا تو آپ نے اس سے وعدہ لیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے وعدہ کرو کہ اس کو پھاڑ دوگے اور وہ عمل نہیں کروگے۔ یہ مرید حضرت کے اس علم غیب کے وصف کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور گھر آکر اس نے وہ کاغذ پھاڑ دیا۔ (حضرات القدس ۲۱۴)

(۲) آپ کی سوانح حیات میں ایک اور واقعہ ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیب کے پردے آپ کی آنکھوں کے سامنے ہٹا دئے گئے تھے۔ آنے والے واقعات کا پہلے سے اللہ تعالیٰ آپ کو علم عطا فرما دیا کرتا تھا۔ ایک روز سفر کے دوران آپ ایک سرائے میں قیام پذیر ہوئے، کچھ دیر بعد آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو بلا کر فرمایا کہ اس سرائے میں کوئی بلا نازل ہونے والی ہے لہذا ہمارے تمام ساتھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی یہ دعا پڑھ لیں "اعوذ بکلمات اللہ التامات کلھا من شرما خلق۔ بسم اللّٰہ الذی لا یضرمع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السماء و ھوا لسمیع العلیم" کیونکہ حضور کے ارشاد کے مطابق جو یہ دعا پڑھ لیگا انشاء اللہ وہ اور اس کا تمام سازو سامان ہر آفت مصیبت اور نقصان سے محفوظ رہیگا۔ آپ کے ارشاد کے کچھ ہی دیر بعد اس سرائے کے بعض کمروں میں آگ لگ گئی آگ اتنی شدید تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کمروں تک پھیلتی چلی گئی۔ کمرے جل گئے اور اس میں جو کچھ سامان رکھا ہوا تھا جل کے خاکستر ہو گیا لیکن حضرت کے جن ساتھیوں نے وہ دعا پڑھ لی تھی وہ خود

بھی اور انکا سامان بھی بالکل محفوظ رہا انہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ آپکے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی عبدالمومن لاہوری بھی تھے انکا سامان جل گیا اور وہ بھی بڑی مشکل سے بچے جب آپ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جب میں نے دعا پڑھنے کے لئے کہا تھا تو تم نے دعا کیوں نہیں پڑھی انہوں نے عرض کیا کہ میں اسوقت موجود نہیں تھا اور بعد میں کسی ساتھی نے مجھے نہیں بتایا۔ آپ نے فرمایا تم بھی یہ دعا پڑھ لیتے تو تم بھی اور تمہارا سامان بھی محفوظ رہتا۔ اس واقعہ سے جہاں آپکے علم غیب کا اندازہ ہوتا ہے وہاں آنحضرت ﷺ کے ارشادات پر آپ کے کامل یقین اور بھروسہ کا بھی اظہار ہوتا ہے اور سنت پر عمل کرتے ہوئے حضور سے منقول دعائیں پڑھنے کے فوائد کا بھی پتہ چلتا ہے کہ انہیں پڑھ کر آدمی اندرونی وبیرونی آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے (زبدۃ المقامات ص ۲۰۷، حضرات القدس ص ۲۱۰)

دل کی کیفیت پر اطلاع : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ دل میں جو کیفیت اور وساوس و خطرات پیدا ہوتے ہیں حضور ان پر بھی مطلع ہو جاتے تھے۔ چنانچہ خشوع و خضوع جو دل کی کیفیت کا نام ہے اس کے متعلق خود سرکار فرماتے ہیں فو اللہ مایخفیٰ علی خشوعکم ولا رکوعکم انی لاارا کم وراء ظهری (موطا امام مالک) (ترجمہ: بس خدا کی قسم نہ تمہارا خشوع مجھ پر پوشیدہ ہے اور نہ تمہارا رکوع مجھ پر پوشیدہ ہے۔ بیشک میں تم کو پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ لیتا ہوں)۔

حضرت امام ربانی کو بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے اتباع کے طفیل آپ کے اس ہی وصف سے نوازا تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ ایک روز میں سورۃ بنی اسرائیل کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیہ مبارکہ پر پہنچا" فتهجد به نافلة لك عسىٰ ان يبعثك ربك مقاماً محموداً" (ترجمہ: تو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو کہ آپ کے لئے زائد ہے امید ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کریگا) جب اس آیت پر پہنچا تو اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت امام ربانی سے پوچھنا چاہیئے کہ تہجد کی نماز کو مقام محمود کی برکات میں کوئی دخل ہے یا نہیں؟ یہ سوچ کر میں حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ سے اس کے متعلق دریافت کرونگا۔ وہ فرماتے ہیں جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت آپ وضو فرما رہے تھے۔ جونہی آپ نے مجھے دیکھا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا تہجد

پابندی سے پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اکثر پڑھ لیتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ مقام محمود سے جو کہ مقام شفاعت ہے پوری طرح بہرہ مند ہو اسے چاہیئے کہ تہجد کی نماز کا التزام رکھے۔ پھر آپ نے یہی آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی یہ سن کر حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی آپ کے قدموں میں گر گئے اور عرض کرنے لگے کہ حضور یہی پوچھنے کیلئے آپ کی خدمت میں آیا تھا۔ لیکن آپ نے تو بغیر پوچھے ہی میرے دل میں جو سوال تھا اس کا جواب مجھے عطاء فرمادیا۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۶۸)

زباں کن کی کنجی: سرور دو جہاں ﷺ کی زبان مبارک کن کی کنجی تھی، یعنی جو زبان سے نکل گیا وہ ہو گیا۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

ایک گستاخ رسول حکم بن ابی العاص حضور کے سامنے بیٹھ کر حضور کا منہ چڑایا کرتا تھا حضور جب کلام فرماتے تھے تو وہ اپنا منہ بگاڑ کر آپکی نقلیں اتارا کرتا تھا ایک روز حضور کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "کن کذالک" یعنی ایسا ہی ہو جا یہ فرمانا تھا کہ جیسا چہرہ بگاڑ رہا تھا ویسا کا ویسا رہ گیا۔ اور پھر موت تک اس کا بگڑا چہرہ درست نہ ہو سکا (الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص / حاکم / بیہقی / طبرانی)

ایک روز سرور کون و مکان ﷺ نے ایک صحابی کے سر پر کچھ سامان رکھا اور فرمایا اس کو اٹھالو کیونکہ تم تو سفینہ (کشتی) ہو۔ حضور کی زبان اقدس سے سفینہ کا لفظ کیا نکلا کہ وہ ایسے سفینہ (کشتی) ہوئے کہ سات اونٹوں کا سامان اکیلے اٹھالیا کرتے تھے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۳۲)

ایک صحابی حضرت عامر بن کریز کو حضور کی خدمت میں حاضر کیا گیا آپ نے ان پر اپنا لعاب دھن ڈالا اس نے آپ کے لعاب دھن کو چوس لیا۔ اس پر آپ نے فرمایا "انہ المسقی" یہ تو پانی پلانے والا ہے۔ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلنا تھے کہ وہ واقعی مسقی ہو گیا۔ جہاں سے زمین کو کرید تا تھا پانی نکلنے لگتا تھا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ۴۳۸)

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو بھی نبی کی اتباع کی بدولت نبی کی اسی صفت سے متصف فرمادیا تھا۔ ان کی بھی شان یہی تھی کہ ان کی زبان سے جو نکل جاتا تھا وہ ہی ہو جاتا تھا۔ ایک امیر زادہ کا واقعہ ہے کہ اس سے کوئی خطاء سرزد ہو گئی بادشاہ نے سخت ناراض ہو کر اس کو اپنے دربار میں طلب کر

لیا، بادشاہ غیظ و غضب کے باعث خود اس کا اور سب لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس کے دربار میں پہنچتے ہی بادشاہ اس کو ہاتھی کے پاؤں تلے ڈلوا کر اس کو ختم کر دیگا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوا تو راستہ میں سرہند شریف اترا چونکہ حضرت امام ربانی سے عقیدت رکھتا تھا اس لئے بڑی تضرع و زاری کے ساتھ حضرت سے عرض کیا کہ اس سلسلہ میں آپ مجھ پر کچھ کرم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا

"فکر نہ کرو! انشاء اللہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ بادشاہ، تم پر مہربانی اور کرم فرمائیگا۔"

لیکن اس امیر زادہ کو حالات کے پیشِ نظر اور بادشاہ کے غیظ و غضب کا خیال کر کے شاید حضرت امام ربانی کی اس بات پر یقین نہیں آیا اس لئے اس نے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آپ سے عرض کیا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ مجھے ایک کاغذ پر لکھ کر دے دیجئے تا کہ مجھے اطمینان اور یقین کی دولت نصیب ہو جائے، جب اس نے بہت اصرار کیا تو آپ مسکرا دیئے اور اس کو ایک کاغذ پر یہ الفاظ لکھ کر عنایت فرما دیئے۔

"چونکہ فلاں شخص نے بادشاہ کے غضب کے خوف سے جو کہ غضب الٰہی کا نمونہ ہوتا ہے۔ ہم فقیروں سے رجوع کیا ہے۔ اس لئے ہم نے اس کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے اور اسے اس ہلاکت سے رہائی دلوا دی ہے۔"

بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک متبع نبی اور ایک اللہ کے مقبول بندے کی زبان سے نکلی ہوئی بات پوری نہ ہو۔ آپ کی زبان اقدس سے جیسا نکلا وہ ہی ہو کر رہا۔ جب وہ شخص جس سے بادشاہ سخت ناراض تھا اور جسے غصہ سے دربار میں طلب کیا تھا جب وہ بادشاہ کے سامنے پہنچا تو بادشاہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگا اس کو چند نصیحتیں کیں اور خلعتوں سے نواز کر رخصت کر دیا۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۵۹ / حضرت القدس کرامت ۱۴)

مشکل کشائی : امام الانبیاء حبیب کبریا ﷺ کی ایک یہ بھی شان تھی کہ دور و نزدیک، قریب و بعید سے جو بھی آپ کو مشکل کے وقت اپنی مدد کو پکارتا تھا آپ کی مدد وہیں پہنچ جاتی تھی۔ اور اس کی مشکل اسی وقت آسان ہو جاتی تھی۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ایک روز وضو خانہ میں حضور نے تین بار فرمایا "لَبَّیكَ نُصِرتَ" میں حاضر ہوں تیری مدد کر دی گئی۔ حضرت میمونہ نے عرض کیا حضور یہاں تو کوئی نہیں ہے آپ یہ کس سے کلام فرما رہے ہیں آپ نے فرمایا: بنو کلب کے رجز خواں نے مجھ سے

مدد طلب کی تھی اس کے جواب میں نے کہا ہے کہ میں حاضر ہوں اور تیری مدد کر دی گئی۔ حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ تین دن کے بعد جب آپ صبح کی نماز پڑھا چکے تو میں نے سنا کہ وہ ہی رجز خواں حضور کی خدمت میں مدحیہ اشعار پیش کر رہا تھا۔ (طبرانی، معجم صغیر ص ۳۰)

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ بطلیموس بادشاہ نے دس ہزار کے عظیم لشکر کے ساتھ جب مسلمانوں پر رات کے وقت اچانک حملہ کیا تو مسلمان گھبرا گئے حضرت خالد بن ولید مسلمانوں کی فوج کی قیادت کر رہے تھے انہوں نے اسی وقت میدان جنگ سے حضور کو مدد کیلئے پکارا اور کہا "واغوثاہ وامحمداہ واسلاماہ کیدقومی و رب الکعبہ "اے محمد! اے ہمارے فریادرس! رب کعبہ کی قسم میری قوم کیساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ ہماری مدد فرمایئے تاکہ یہ سلامت رہیں۔ حضور کی مدد ان کو پہنچی اور اللہ نے ان کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمادیا (واقدی) اسی طرح مسیلمہ بن کذاب کے مقابلہ میں بھی حضرت خالد بن ولید نے جنگ میں یا محمداہ! یا محمداہ! کہہ کر حضور سے مدد طلب کی تھی اور حضور کی مدد سے اللہ تعالیٰ نے خالد کو مسیلمہ کے عظیم لشکر پر فتح عطاء فرمائی تھی اور مسیلمہ اسی جنگ میں جہنم رسید کیا گیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۳۲۴/۲ ابن اثیر ۵۲/۲ طبری، ۲۵۰/۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان اعجازی حضرت امام ربانی کی ذات اقدس میں بھی حضور کے اتباع کی بدولت جگمگاتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ حضرت امام ربانی کے زمانہ اقدس میں ایک بڑے صاحب دل سید صاحب تھے جن کا نام رحمت اللہ تھا۔ ایک روز دوران سفر دکن کے قریب ایک صحرا سے ان کا گذر ہوا وہاں انہوں نے ایک مندر دیکھا تو ان کو حضرت امام ربانی کی یہ بات یاد آگئی کہ بتوں کی جتنی اہانت اور تذلیل کی جائے اس سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازیوں جیسا ثواب ملتا ہے" یہ خیال آتے ہی وہ سید صاحب ثواب لینے کی نیت سے مندر میں گھس گئے اور بتوں کو توڑنا اور گرانا شروع کر دیا۔ ایک ہندو کسان دور سے بیٹھا ہوا اپنے خداؤں کی یہ درگت بنتا ہوا دیکھ رہا تھا اس نے فوراً قریبی گاؤں میں جا کر اس واقعہ کی اطلاع کر دی۔ خبر ملتے ہی گاؤں کے سارے ہندو ڈنڈے اور بھالے لیکر ان سید صاحب کو مارنے کے لئے نکل پڑے، سید صاحب نے جب یہ ہجوم اپنی طرف آتا دیکھا تو ان کی پیروں تلے زمین نکل گئی بھاگنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی بھی وہاں کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔ انہیں جب اپنے سامنے موت نظر آنے لگی تو انہوں نے گھبرا کر وہیں سے حضرت امام ربانی کو مدد کے لئے پکارا اور عرض کیا کہ

حضور! آپ ہی کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے میں نے یہ کام کیا تھا اب آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ سید صاحب کہتے ہیں کہ جوں ہی میں نے یہ کہا اسی وقت میرے کانوں میں حضرت امام ربانی کی آواز آئی جو حقیقت میں حضرت امام ربانی کی ہی آواز تھی جسے میں اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

"فکر نہ کرو، ہم نے تمہاری مدد کے لئے اسلامی لشکر بھیج دیا ہے"

انہوں نے گھبراہٹ میں ساتھیوں سے کہا کہ دشمن تو سر پر آگئے ہیں وہ لشکر جو حضرت نے بھیجا ہے وہ نہ معلوم کہاں ہے اور کب پہنچے گا؟ اتنی دیر میں وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چالیس سوار گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے ان کافروں کے ہجوم کے قریب پہنچ گئے اور ان کو بھگا کر ہمیں بحفاظت وہاں سے نکال کر منزل کی طرف روانہ کر دیا۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۵۱ حضرات القدس ص ۱۸۴)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں مذکور ہے کہ سید جمال نامی ایک صاحب حال بزرگ ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے اچانک ایک خوفناک شیر آگیا جسے دیکھ کر ان کی جان نکل گئی۔ ان کی زبان سے فوراً نکلا کہ اے شیخ احمد سرہند! آپ ہی نے فرمایا تھا کہ کسی مشکل میں پھنس جاؤ تو مجھے یاد کر لینا آج میری مدد فرمائیے۔ سخت مشکل میں ہوں سید صاحب سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ خود وہاں تشریف فرما ہو گئے اور اپنے عصائے مبارک سے اس شیر کو مار کر وہاں سے بھگا دیا۔ اور میری جان بچا دی۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۵۱ حضرات القدس باب کرامات)

حافظہ کی عطا : حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں لیکن میں بھول جاتا ہوں یعنی میرا حافظہ کمزور ہے۔ یہ سن کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! اپنی چادر پھیلاؤ میں نے چادر پھیلا دی تو شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست انور سے اس فضاء میں ایک چلو بھر کر میری چادر میں ڈال دیا اور فرمایا ابوہریرہ اس کو اٹھاؤ اور اپنے سینہ سے لگالو۔ ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا تو اس کے بعد سے مجھے کوئی چیز نہیں بھولی۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۳۲)

پتہ چلا کہ اس قاسم نعمت کے در دولت سے کائنات کی ہر نعمت حتی کہ حافظہ کی دولت بھی ملا کرتی تھی حضرت امام ربانی کی ذات گرامی میں بھی حضور کے اتباع کی بدولت آپ کی یہ شان عطاء ہمیں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک حافظ صاحب اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ میں نے قرآن پاک حفظ کیا تھا لیکن

چونکہ میں سفر میں زیادہ رہا اس لئے تلاوت مجھ سے چھوٹ گئی اور میں قرآن بھول گیا۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں جب میں سرہند شریف آیا تو حضرت امام ربانی نے فرمایا۔ حافظ صاحب جو نئی مسجد ہم نے بنوائی ہے اس میں آپ کو اس دفعہ تراویح کے اندر قرآن سنانا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں قرآن بھول چکا ہوں۔ اور اب حافظہ بھی ختم ہو گیا ہے لہذا میں تو نہیں سنا سکوں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں! آپ ہی کو سنانا ہے۔ کئی بار میں نے معذرت کی اور ہر بار آپ نے یہی فرمایا۔ آخر حضرت کے حکم پر قرآن سنانے کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے آپکی برکت سے مجھے ایسا حافظہ عطا فرما دیا کہ دو راتوں میں پورا قرآن میں نے آرام سے سنا دیا اور سارے قرآن میں بہت کم مجھے سہو ہوا۔ (حضرات القدس ص ۲۱۰)

آسمانوں پر حکمرانی: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے سخت قحط سالی ہو گئی۔ ایک دن جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے ممبر پر جلوہ افروز ہوئے تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور بچے بھوکے مر گئے ہیں یہ سنتے ہی حضور نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے حضرت انس فرماتے تھے کہ فوراً بادل چھا گئے اور حضور ابھی ممبر سے نیچے نہیں اترے تھے کہ موسلا دھار بارش برسنے لگی اور بارش ایک ہفتہ مسلسل چلتی رہی یہاں تک کہ جب دوسرے جمعہ کو حضور پھر خطبہ کے لئے ممبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ ہی دیہاتی پھر کھڑا ہو گیا اور عرض کرنے لگا کہ حضور اتنی زیادہ بارش ہوئی ہے کہ مکان گرنے لگے ہیں اور مال و متاع پانی میں غرق ہو رہے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک سے اشارہ کیا اور یہ الفاظ فرمائے اللّٰھم حوالینا لا علینا" یعنی اے اللہ بارش ہمارے اردگرد برسے ہم پر نہ برسے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور کی انگلی جہاں گھومتی تھی بادل وہاں سے چرتے چلے جاتے تھے اور مدینہ منورہ کی فضا اسی وقت بادلوں سے صاف ہو گئی اور بارش اسی وقت رک گئی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۳۲)

جن کو سوئے آسماں پھیلا کے جل تھل کر دیئے
صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اس شہنشاہ کون مکاں کی حکومت جس طرح زمینوں پر تھی اس ہی طرح آسمانوں پر بھی تھی۔ جس طرح جن وانس اور شجر و حجر آپ کا کہنا مانا کرتے تھے اسی طرح آسمانوں پر

بادل بھی آپ کے اشاروں پر چلا کرتے تھے۔ کمال اتباع رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے باعث یہی شان حکمرانی اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو بھی عطاء فرمائی تھی۔ مخدوم محمد ہاشم کشمی آپ کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ کا اجمیر شریف میں قیام تھا انہی دنوں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا اور وہ بھی اتفاق سے موسم برسات میں آیا سخت بارش ہو رہی تھی۔ ایک مسجد کے اندر تنگ کمرہ میں آپ نے پہلی رات تراویح ادا فرمائی اور اس کے بعد فرمایا انشاء اللہ آخیر رمضان تک بارش نہیں ہو گی۔ تمام ختم قرآن مسجد کے صحن میں آرام سے کئے جائیں گے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے زبان مبارک سے ختم قرآن کا لفظ نکل گیا اس لئے بارش صرف آپ کے حکم کی وجہ سے ختم القرآن تک رکی ہوئی ہے۔ پورے رمضان بارش رکی رہی جوں ہی ستائیسویں شبکو چوتھا ختم قرآن ہوا اس کے بعد فوراً بارش شروع ہو گئی اور اٹھائیسویں شب لوگوں نے بارش میں تراویح ادا کی۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۷۵)

بے جانوں کی زبان جاننے والا : حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جنگ سے واپسی پر ایک یہودی عورت نے حضور کی دعوت کی اور بکری کی ایک ران میں زہر ملا کر اسے بھون کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے اس یہودی عورت کو بلا کر پوچھا کہ کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے اس نے کہا آپ کو کس نے بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا الذراع یخبرنی انہ' مسموم "یہ بکری کی ران مجھے بتا رہی ہے کہ میرے اندر زہر ملا ہوا ہے۔ (سنن ابو داؤد سنن دارمی)

اسی طرح استن حنانہ کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے کہ پہلے حضور ایک کھجور کے درخت کے سوکھے تنے پر تشریف فرما ہو کے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے جب صحابہ نے ممبر بنا کر پیش کیا اور آپ ممبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ سوکھا درخت کا تنا آپ کے فراق اور جدائیگی میں رونے لگا۔ جب سرکار نے ممبر سے اتر کر اسے گلے لگایا تو اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ حضور نے اس سے فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ یہیں قیامت تک ہرا بھرا رہنا چاہتا ہے یا جنت کا درخت بننا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں جنت کا درخت بننا چاہتا ہوں۔ (الوفا باحوال المصطفے ابن جوزی ص ۳۷)

ان واقعات سے پتہ چلا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے جان اور بے روح چیزیں بھی بولتی تھیں اور آپ ان کی زبانیں سمجھ کر ان سے کلام بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہی شان اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو بھی حضور کی اتباع کی بدولت نصیب فرمائی تھی۔ چنانچہ اس پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ

ایک روز آپ کو کچھ ضعف لاحق ہوا تو آپ نے چند منقیٰ کے دانے طلب فرمائے۔ جب وہ منقے کے دانے پیش کئے گئے تو آپ مراقبہ میں مصروف ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ ایک عجیب بات ظہور میں آئی ہے، ان منقیٰ کے دانوں نے اللہ کی بارگاہ میں التجا کی ہے کہ ہمارے اندر شفا پیدا کر دے تاکہ تیرے مقبول بندے شیخ احمد سرہندی ہمیں کھائیں تو انہیں شفا مل جائے اللہ تعالیٰ نے ان کی التجا کو قبول فرماتے ہوئے ان میں شفا رکھ دی ہے۔ چنانچہ حقیقت میں اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ ان منقیٰ کے دانوں کو حضرت نے نوش فرمایا تو آپ کو شفا حاصل ہو گئی، حضرت کے چھوٹے صاحبزادے بیمار تھے انہوں نے تناول فرمایا تو ان کو بھی شفا مل گئی، کچھ اور لوگ بیمار تھے ان کو یہ دانے کھلائے گئے تو ان کو بھی شفا مل گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ کاش یہ منقے کے دانے زیادہ ہوتے تو اور بہت سے مریضوں کو شفا مل جاتی۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۴۹/حضرات القدس ص ۱۸۳)

غلاموں کی معرفت : حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے دونوں ہاتوں میں کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا آپ کے بتائے بغیر ہمیں کیسے پتہ چل سکتا ہے۔ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ والی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس میں جنتیوں کے نام ان کے آباؤ اجداد کے نام ان کے قبیلوں کے نام اور آخر میں ان کا میزان دیا گیا ہے اب نہ ان میں کوئی اضافہ کیا جائیگا اور نہ کمی کی جائیگی۔ پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی رب العالمین کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ اور اس میں دوزخیوں کے نام ان کے آباؤ اجداد کے نام ان کے قبیلوں کے نام ہیں اور آخیر میں ان کا میزان دیا گیا ہے۔ ان میں بھی نہ اضافہ کیا جائیگا نہ کمی کی جائیگی (مشکوۃ شریف) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میری امت مجھ پر خاکی صورتوں میں پیش کی گئی جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی تھیں اور مجھے یہ بھی بتادیا گیا کہ ان میں سے کون ایمان لائیگا اور کون نہیں لائیگا۔ (تفسیر خازن و معالم التنزیل، زیر آیت "ما کان اللہ لیذر المومنین الآیہ)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت بلکہ تمام نبی نوع انسان کے نام ان کے آباؤ اجداد کے نام ان کے قبیلوں کے نام اور ان میں سے کون جنتی ہے اور کون

دوزخی ہے سب کا علم تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو ان کی شان کے مطابق اس وصف سے سرفراز فرمایا کہ ان کے تمام غلاموں اور مریدوں کی معرفت ان کو عطا فرمادی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "جو لوگ قیامت تک بالواسطہ یابلاواسطہ میرے سلسلہ میں داخل ہونگے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت وہ سب ہماری نظروں کے سامنے لائے گئے۔ حتیٰ کے ان کے نام، ان کے آباؤاجداد کے نام ان کی جائے پیدائش ان کی جائے وفات تک مجھے بتادی گئی۔ آپ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو اس وقت ایک ایک کو نام بنام بیان کر سکتا ہوں"۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۶۱/حضرات القدس ص ۱۱۳)

تبرکات کی برکت : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبہ شریف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا جس کو حضور زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ حضور کے وصال کے بعد ان سے وہ جبہ میں نے حاصل کرلیا۔ جب بھی کوئی بیمار آتا تو میں اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی اس بیمار کو پلادیتی تھی وہ اس کی برکت سے اسی وقت تندروست اور صحت یاب ہو جایا کرتا تھا"۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰/مشکوۃ ص ۳۷۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کے تبرکات میں بھی یہی برکت رکھدی تھی کہ اس سے مریضوں کو شفامل جایا کرتی تھی۔ مولانا محمد امین جو حضرت خواجہ دیوانہ سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے ایک سخت موذی مرض میں مبتلاء ہوگئے دنیا بھر کے اطباء سے علاج کرایا لیکن مرض دور نہ ہوا آخر حضرت امام ربانی کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں آپ سے گزارش کی کہ مجھے اپنا کوئی کپڑا بطور تبرک عطا فرمادیں۔ آپ نے جواب میں ان کو ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اپنا ایک کرتہ مبارک بھی ارسال فرما دیا اور مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا کہ :

> "اس فقیر کا پیرھن جو آپ نے طلب فرمایا ہے وہ بھیجا جاتا ہے اسے پہنیں اور اس کے نتائج و ثمرات سے فائدہ اٹھائیں، انشاء اللہ بہت برکت والا ہوگا"

جب مولانا محمد امین صاحب کو آپ کا یہ پیرھن مبارک ملا تو انہوں نے اس کو بطور تبرک

پہن لیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے ان کا دیرینہ مرض دور فرما کے ان کو صحت کاملہ سے سرفراز فرمادیا۔ اس کے بعد وہ حضرت کے ایسے معتقد ہوئے کہ پھر اپنی تمام عمر حضرت کی خدمت اقدس میں رہ کر آپ کے فیوضات سے مستفیض ہوتے ہوئے گزار دی۔ (زبدۃ المقامات ۳۶۵/حضرات القدس ۸۹)

اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ اللہ کے مقبول بندوں کے تبرکات کی تعظیم و توقیر اور ان کی برکت سے مخلوق خدا کی مشکلات آسان کرانا یہ حضرت امام ربانی سمیت بڑے بڑے اولیائے کرام حتیٰ کہ صحابہ کرام تک کا پسندیدہ طریقہ رہا ہے۔

بدخواہوں کی تباہی : جو اللہ کے پیاروں کی بے ادبی گستاخی کر کے ان کے قلب کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لئے آخرت میں جو دردناک عذاب ہے وہ تو اپنی جگہ پر، دنیا میں بھی ذلت ورسوائی اور ہلاکت و تباہی ان کا مقدر ہوتی ہے۔ ابو جہل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا گستاخ اور بے ادب تھا اس کے غرور کا سر دو چھوٹے چھوٹے بچوں "معوذ اور معاذ" نے خاک میں ملادیا۔ جب وہ ان دو چھوٹے بچوں کے ہاتھوں شدید زخمی ہو کر خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود اس کے پاس پہنچے اور اس کی گردن پر اپنا پیر رکھدیا، ابو جہل چلایا کہ او بکری چرانے والے دیکھ تو پاؤں کہاں رکھ رہا ہے۔ لیکن اسے پتہ نہ تھا کہ نبی کے گستاخوں کے مقدر میں یہی ذلت ورسوائی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ نے اس کا سر قلم کیا اور حضور کے قدموں میں لا کر ڈالدیا۔ (صحیح بخاری، غزوۂ بدر)

ایک نصرانی شخص جو مسلمان ہو گیا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کی کتابت کرتا تھا۔ بعد میں وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں لکھتا تھا۔ اس گستاخی پر رب ذوالجلال نے اس کو ہلاک کر دیا اور اس کا ایسا دردناک اور عبرتناک انجام ہوا کہ زمین نے اس گستاخ کی لاش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کئی بار لوگوں نے بڑے گہرے گڑھے کھود کر اس میں اس کو دفن کیا لیکن رات کو دفن کرتے تھے صبح اس کی لاش باہر پڑی ہوئی ملتی تھی۔ (الوفا باحوال المصطفےٰ، ابن جوزی ص ۳۷۸)

اوصاف و کمالات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم حضرت امام ربانی کی بھی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کا یہی عالم تھا کہ ان کا گستاخ عبرتناک انجام سے دوچار ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ کے ابتدائی ایام کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک تاجر کے گھر چوری ہو گئی اس تاجر نے آپ کے

ایک عزیز پر چوری کے شبہ کا اظہار کیا وہ عزیز پولیس کے تشدد کے خوف سے کہیں غائب ہو گیا۔ پولیس کا جیسا کہ طریقہ ہے کہ اگر مطلوبہ شخص نہ ملے تو اس کے قریبی عزیز کو گرفتار کر لیتے ہیں تا کہ اس کی وجہ سے ملزم پکڑ میں آجائے اسی طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے کوتوال شہر نے آپ کو بلالیا۔ تا کہ آپ کی وجہ سے وہ ملزم اپنی گرفتاری جلد پیش کر دے۔ آپ اسی وقت ایک خادم کے ہمراہ اس کوتوال کے پاس تشریف لے گئے اس کوتوال نے بڑے گستاخانہ لہجہ میں آپ سے گفتگو کی۔ اتنے میں مولانا طاہر بدخشی کا وہاں سے گزر ہوا، جب حضرت کو انہوں نے وہاں دیکھا تو کوتوال پر ان کو بڑا غصہ آیا اور وہ اس کو برا بھلا کہنے لگے لیکن آپ نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو کچھ مت کہو۔ بہر حال کوتوال نے اسی وقت آپ کو چھوڑ دیا، اگرچہ آپ نے نہ خود اپنی زبان سے اس کے لئے کچھ کہا اور نہ کسی اور کو کچھ کہنے دیا لیکن اللہ کو اپنے پیاروں کی عزت بڑی پیاری ہوتی ہے اور ان کے دل میں آیا ہوا ہلکا سا میل بھی اس کو گوارا نہیں ہوتا چنانچہ رب ذوالجلال کی طرف سے اس کو اس بے ادبی کی سزا چند دنوں کے اندر اندر اس طرح دی گئی کہ اس کا علاقہ کے کچھ لوگوں سے جھگڑا ہو گیا، سخت لڑائی کے باعث وہ اس کمرہ کی چھت پر چڑھ گیا جس میں بارود اور اسلحہ بھرا ہوا تھا۔ کسی نے اس کے چڑھتے ہی اس بارود کو آگ لگادی ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اس کی لاش جل کر خاکستر ہو گئی۔

اعلان تقویٰ : اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد پاک ہے "وَمَن يُعَظِّم شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِن تَقْوَى القُلُوب" (سورۃ الحج ۲۲/۳۲) کہ جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجالائے تو بیشک یہ دلوں کے تقوے سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو قرآن پاک میں رب کی طرف سے آپ کے متقی ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ "وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدقِ و صدق به اولٰئکَ هُم المتقون" (سورۃ الزمر ۳۹/۳۳) ترجمہ: اور وہ جو سچ لیکر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس آیۃ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سچائی لانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق ہیں یعنی اس آیۃ مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے متقی ہونے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نبی کا اتباع کرتے

ہوئے جب شعائر اللہ کی تعظیم کی تو آپ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کمال سے بہرہ ور کرتے ہوئے آپ کے متقی ہونے کا بھی رب کی طرف سے اعلان کر دیا گیا۔ آیئے سیرت مجدد کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ آپ نے شعائر اللہ کی کس طرح تعظیم کی اور اتباع رسول کے باعث آپ کو متقی ہونے کی بشارت کس طرح دی گئی۔

(۱) قرآن پاک شعائر اللہ میں سے ہے۔ آپ نے اس کی کتنی تعظیم فرمائی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے حجرہ میں ایک فرش بچھا ہوا تھا ایک حافظ صاحب نے اس فرش پر بیٹھ کر تلاوت قرآن شروع کر دی جبکہ آپ کے نیچے دو فرش بچھے ہوئے تھے آپ نے اس کو بھی بے ادبی سمجھا کہ قرآن کی تلاوت کرنے والا ایک فرش نیچے ہو اور میں اس سے ایک فرش اوپر ہوں، چنانچہ یہ خیال آتے ہی آپ نے اپنے نیچے سے ایک فرش فوراً نکال دیا اور اسے لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور صرف ایک فرش پر بیٹھ کر اس کی تلاوت سماعت فرمائی۔

(۲) اسی طرح ایک دن آپ آرام فرماتے تھے کہ آپ کی نظر چارپائی کے نیچے ایک کاغذ پر پڑی بس نظر پڑتے ہی آپ مضطرب ہو کر فوراً چارپائی سے نیچے اتر آئے اور اتنی دیر بھی آپ نے گوارا نہیں فرمائی کہ سادہ کاغذ جو اسبابِ کتابت میں ہے اور جس پر قرآن لکھا جاتا ہے اس کو کسی اور سے اٹھانے کے لئے کہیں اور اتنی دیر اوپر بیٹھے رہیں بلکہ آپ فوراً بغیر کسی تاخیر کے خود نیچے اترے اور کاغذ کو اٹھا کر ادب سے اوپر رکھ دیا۔

(۳) آپ کا ایک اور واقعہ قرآن پاک کے متعلق آپ کے کمال تعظیم کو ظاہر کرتا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آپ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کچھ معارف تحریر کرنے میں مصروف ہیں کہ اچانک آپ کو استنجے کی شدید حاجت ہوئی آپ تیزی سے بیت الخلاء کی طرف روانہ ہوئے لیکن میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ جس تیزی سے آپ گئے اسی تیزی سے واپس تشریف لے آئے۔ باہر آکر آپ نے اپنے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا اور پھر دوبارہ بیت الخلاء تشریف لے گئے، جب آپ واپس تشریف لائے اور ہم نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے تیزی کیساتھ جانے اور تیزی کے ساتھ واپس آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے پیشاب زور سے لگ رہا تھا اس لئے تیزی کے ساتھ بیت الخلاء گیا لیکن جب وہاں گیا تو میری نظر اپنے ہاتھ کے انگوٹھے پر پڑی کہ اس کے

ناخن پر سیاہی کا نقطہ لگا ہوا تھا جو قلم کو رواں کرنے کے لئے انگوٹھے پر لگایا جاتا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ سیاہی کا نقطہ وہ ہے جس سے قرآن کے حروف لکھے جاتے ہیں چونکہ یہ قرآن کی کتابت کے اسباب میں سے ہے اس لئے اس کو بیت الخلاء میں لانا ادب کے خلاف ہے لہذا قرآن کی کتابت کے اس سبب یعنی سیاہی کے نقطہ کی تعظیم کرتے ہوئے میں فوراً واپس باہر آیا اس کو پہلے دھویا پھر دوبارہ جا کر استنجا کیا۔ اگرچہ استنجے کے شدید تقاضہ کے باعث میرے لئے یہ بہت شاق تھا لیکن ترک ادب کے مقابلہ میں یہ محنت اور مشقت مجھے کم نظر آئی۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۷۴/ ۲۷۵/ ۲۷۶)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کے تقوے سے ہے، چنانچہ آپ نے شعائر اللہ کی تعظیم جب اس درجہ کی تو آپ کے رب کی طرف سے آپ کے تقوے کا اعلان کر دیا گیا اور آپ کے متقی ہونے کا مژدہ سنا دیا گیا۔ اور اس کا واقعہ اس طرح سے ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے مرحوم فرزند کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوایا جب کھانا پک کر آیا تو تواضع اور انکساری کی وجہ سے آپ کی زبان مبارک سے یہ نکل گیا کہ نہ معلوم یہ صدقہ ہماری طرف سے قبول بھی ہوگا یا نہیں کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "انما یتقبل اللّٰہ مِن المتقین" کہ ہم صرف متقیوں سے قبول کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہماری زبان سے یہ نکلنا تھا کہ فوراً غیب سے ندا آئی "اِنکَ مِن المتقین" بیشک تم متقیوں میں سے ہو۔ (زبدۃ المقامات ص ۲۵۶/ حضرات القدس ص ۱۱۰/۲)

یہ صرف آپ کے متقی ہونے کا اعلان نہیں بلکہ ایک متقی کے لئے جو کچھ مراتب اور مقامات قرآن نے بیان کئے ہیں آپ کو متقی کہہ کر درحقیقت آپ کے لئے ان تمام مراتب اور مدارج کا اعلان کیا جا رہا تھا ۔ کہ چونکہ آپ متقی ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی معیت خاص بھی آپ ہی کو حاصل ہے کیونکہ "وَاعلموا ان اللّٰہ مع المتقین (جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے)

چونکہ آپ متقی ہیں اس لئے اللہ کے محبوبیت کے مرتبہ پر بھی فائز ہیں کیونکہ " اِنَّ اللّٰہ یُحِب المتقین " (بیشک متقی اللہ کے محبوب ہیں) چونکہ آپ متقی ہیں اس لئے صحیح معنوں میں آپ اللہ کے ولی ہیں کیونکہ " اِن اَولیاء اللّٰہ' الا المتقین " (متقی ہی صرف اس کے اولیاء ہیں) چونکہ آپ متقی ہیں اس لئے قیامت کے دن آپ ہی مقام امن میں ہونگے کیونکہ " اِنَّ المتقین فی مقام امین " (بیشک متقی ہی مقام امن میں ہونگے) چونکہ آپ متقی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کا دوست اور

مددگار ہے کیونکہ "واللہ ولی المتقین" (اللہ متقیوں کا دوست اور مددگار ہے) چونکہ آپ متقی ہیں اس لئے دنیاوی اور اخروی زندگی میں آپ کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں کیونکہ " اَلَّذِینَ آمِنو او کانوا یتقونَ لَھُمُ البُشریٰ فی الحَیٰوۃ الدُّنیا وَ فی الآخرہ" (جو ایمان لائے اور متقی ہوئے ان کے لئے دنیاوی اور اخروی زندگی میں خوشخبری ہے) چونکہ آپ متقی ہیں اس لئے جنتی ہونے کی بشارت بھی آپ ہی کے لئے ہے کیونکہ "اعدت اللمتقین" (جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے) الغرض آپکے متقی ہونے کا اعلان کر کے یہ بتایا گیا کہ دنیا و آخرت کی ہر سعادت ہر خیر ہر بھلائی ہر عظمت آپ کیلئے ہے۔

خصوصی کمالات میں اتباع : آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعض ایسے خصوصی کمالات سے سرفراز فرمایا جو اس سے قبل کسی اور کو عطا نہیں کئے گئے، حضرت امام ربانی کو اللہ تعالیٰ نے اتباع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصوصی کمالات سے بھی سرفراز فرمادیا تھا۔ حضرت امام ربانی اس کو اتباع کے چھٹے درجہ سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کمالات حضور کے مقام محبوبیت کے ساتھ خاص ہیں اور ان خاص محبوبوں کو ہی ان کی اتباع کی بدولت صرف اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص سے جو سرفراز فرمایا گیا اس کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہی ہے کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اعمال اور احوال کا ایسا کامل اتباع کیا کہ آپ اپنے محبوب اور متبوع کا آئنہ بن کر ان کے مظہر اتم بن گئے پھر اس آئینہ میں حضور کے اوصاف و شمائل کے ساتھ ساتھ آپ کے خصائص و کمالات بھی جگمگانے لگے۔ اسی لئے آپ نے وصال کے وقت فرمایا کہ۔

> "ہر وہ کمال جو نوع بشر میں ممکن ہے مجھے عطاء فرمادیا گیا اور سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت اور وراثت کے ذریعہ اسے متحقق فرمایا گیا" (زبدۃ المقامات ص ۲۷۳)

خمیر نبوی سے تخلیق : آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات بالخصوص آپ کے خصائص اور امتیازی صفات تک کے ساتھ آپ کے متصف ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس

خمیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کی گئی اسی بچے ہوئے خمیر نبوی سے حضرت امام ربانی کی تخلیق کی گئی (زبدۃ المقامات ص ۲۷۳) آپ خود اپنے ایک مکتوب گرامی میں اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بخارا اور سمرقند سے تخم لا کر ہند کی سرزمین میں کہ جس کی اصل خاک طیبہ و بطحاء سے تھی کاشت کیا۔ اپنے فضل کے پانی سے اسے سیراب کیا۔ (مکتوب ص ۲۶۰، دفتر اول حصہ چہارم)

ایک اور مکتوب گرامی میں اس کو ایک حسین پیرایہ میں سمجھاتے ہوئے فرمایا!

"سنو سنو! اگرچہ اس دولت خاصۂ محمدی میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں ہے لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دولت خاصہ سے ان کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی بچا تھا کیونکہ شرفاء کی ضیافت کی دولت سے دستر خوان پر کچھ نہ کچھ بچ رہنا لازمی امر ہے جو کہ پس ماندہ کھانے والے خادموں کا حصہ ہوتا ہے۔ اس بقیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے کسی ایک دولت مند پس خوردہ کھانے والے کو عطاء فرمایا ہے اور اس کو اس کے خمیر کا سرمایہ بنا کر اس کی مٹی کو خمیر کیا ہے اور ان کی وراثت و تبعیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت خاصہ کا شریک بنایا ہے

با کریماں کارہا دشوار نیست

اور یہ بقیہ حضرت آدم علیٰ نبیناء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کے بقیہ کی طرح ہے جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش کو نصیب ہوا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی پھوپی کھجور کی عزت کیا کروں کہ وہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے" ہاں "وَلا الارضِ من کاس الکرام نصیب (یعنی شرفاء کے پیالہ میں سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے) (مکتوب نمبر ۱۰۰ دفتر سوم حصہ دوم ص ۹۶)

اور اس کی تصدیق بخاری شریف کتاب الجنائز میں حضرت امام ابن سیرین کے ارشاد مبارک سے بھی ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے فرمایا تھا کہ تو میرے خمیر سے پیدا ہوا ہے لہذا حضرت امام ربانی کی بچے ہوئے خمیر نبوی سے تخلیق کوئی ناممکن بات نہیں۔

بہر حال چونکہ آپ کا خمیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے خمیر سے بنا ہے اس

لئے آپ کی ذات میں بھی وہ ہی انوار و کمالات چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں جو حضور سرور کائنات کی ذات اقدس میں جگمگا رہے ہیں۔ آیئے ذرا اس کی ایک جھلک دیکھتے ہیں۔

قبل از ولادت بشارتیں : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالم کون و مکان میں تشریف آوری سے قبل تمام انبیائے کرام نے اپنے اپنے وقتوں میں آپ کی آمد کی بشارتیں دیں (میلاد رسول، ابن جوزی ص ۴۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا قرآن یوں ذکر فرماتا ہے " وَ مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ' احمد" (پ ۲۸ ع ۱۹ آیت ۵) بلکہ علامہ ابن جوزی ایک روایت بیان فرماتے ہیں کہ ایام حمل میں حضرت بی بی آمنہ کو مختلف مہینوں میں مختلف انبیاء کرام نے حضور کی تشریف آوری کی بشارتیں دیں، پہلے مہینہ میں حضرت آدم علیہ السلام نے دوسرے مہینے میں حضرت ادریس علیہ السلام نے تیسرے میں حضرت نوح علیہ السلام نے چوتھے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانچویں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور ساتویں میں حضرت داؤد علیہ السلام نے آٹھویں میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور نویں مہینہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ آپ کی آمد کی بشارتیں دیں بلکہ یہ بھی بتایا کہ وہ دنیا و آخرت کے سردار ہونگے اور بڑے بڑے عمدہ اوصاف و کمالات کے حامل ہونگے اور ان کا نام "محمد" ہوگا۔ (میلاد رسول ترجمہ مولد العروس مؤلفہ ابن جوزی ص ۷۰/۷۱)

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی ولادت سے قبل آپ کی آمد کی وقت کے مقتدر اولیائے کرام نے بشارتیں دی۔ وقت کے ایک معروف عارف کامل حضرت شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے بعد سترہ آدمی "احمد" نام کے ہونگے۔ انہی میں سے آخری شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا وہ امت محمدیہ کے تمام اولیاء سے افضل ہوگا۔ اس میں تمام گذشتہ اور آئندہ اولیاء کے کمالات پائے جائینگے۔

اپنے وقت کے ایک اور باکمال بزرگ حضرت شیخ خلیل اللہ بدخشی نے فرمایا کہ خواجگان کے سلسلہ میں ایک شخص ہندوستان کے اندر پیدا ہوگا جو امت مصطفےٰ کے تمام اولیاء سے افضل ہوگا۔ لیکن افسوس ہماری زندگی اس وقت تک وفا نہیں کریگی۔ لہذا یہ ہمارا خط جب وہ ظاہر ہوں تو ان کو دے دینا تا کہ وہ ہمارے حق میں دعا کریں۔ یہ اسی طرح کا واقعہ ہے جیسے یمن کے بادشاہ تبع نے ایک خط دیا کہ جب

وہ اللہ کا آخری نبی اس دنیا میں تشریف لائے تو اس کو یہ ہمارا خط دے دینا اور اس خط میں شاہ تبع نے حضور سے شفاعت کی درخواست کی تھی، اسی طرح یہاں بھی حضرت شیخ خلیل اللہ بدخشی نے حضرت امام ربانی کے نام ایک مکتوب لکھ کر دیا اور اس میں حضرت سے دعا کی درخواست کی۔

اسی طرح محبوب صمدانی حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوران مراقبہ دیکھا کہ آسمان سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے سارا جہاں روشن ہو گیا وہ نور پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نور سے تمام اولیاء کرام کے چہرے روشن ہو گئے۔ حضرت غوث اعظم کو جب حیرت ہوئی تو غیب سے آواز آئی کہ یہ اس شخص کا نور ہے جو آپ کے پانچ سو سال بعد پیدا ہو گا اور ہمارے آخری پیغمبر کے دین کی تجدید کریگا۔ وہ شخص انتہائی خوش نصیب ہو گا جو اس کی زیارت کریگا۔ یہ سن کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خرقہ مبارکہ بطور امانت اپنے ایک خلیفہ کے سپرد کیا، اور فرمایا کہ اس کی حفاظت کرنا اور جب وہ شخص پیدا ہو جس کا پیر اس سے فیض حاصل کرے گا اسے اپنے سے اونچا سمجھے گا اور خود اس کے سامنے مریدوں کی طرح بیٹھے گا۔ تو اس کو ہمارا اسلام کہنا اور یہ خرقہ بطور تحفہ اسے دے دینا۔ چنانچہ وہ خرقہ اس خاندان میں چلتا رہا اور حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد حضرت شاہ سکندر نے اپنے پیر کے بار بار اصرار پر اس کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تک پہنچایا۔

ایک اور وقت کے ولی کامل حضرت شیخ عبدالقدوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام ربانی کے والد کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی پیشانی میں ایک نور چمک رہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے یہاں بچہ پیدا ہو گا جس کے نور سے تمام مشرق و مغرب روشن و منور ہو جائیگا اور بدعت و گمراہی کا اندھیرا مٹ جائیگا۔ اور اس کا سلسلہ تمام جہاں میں پھیل جائیگا۔ اس کے باطنی فیوضات و کمالات اس کے فرزندوں اور اس کے خلفاء کے ذریعہ قیامت تک قائم رہیں گے۔

حضرت شیخ سلیم چشتی جیسے عارف کامل، شاہان وقت جن کے معتقد اور مرید تھے انہوں نے مراقبہ میں دیکھا کہ سرہند سے ایک نور نکلا اور اس کی روشنی نے تمام آسمان و زمین کو گھیر لیا، انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ الٰہی! یہ کس کا نور ہے۔ جواب آیا یہ امت محمدیہ کا وہ شخص ہے جو اس شہر میں پیدا ہو گا اور تمام اولیاء سے افضل ہو گا اور تمام خلقت اس کے فیض سے ہدایت پائے گی۔ اور احکام شرعیہ کو اس کے صدقہ میں تروتازگی ملے گی۔ (روضۃ القیومیہ ص ۱۰۲ تا ۱۰۶)

قبل ولادت حیرت انگیز واقعات: یمن کے فرمانروا ''ربیعہ بن نصر'' نے ایک خوفناک خواب دیکھا کہ بھڑکتے شعلے اور انگارے تاریکی میں سے نکلے اور سرزمین تہامہ میں آکر گر گئے اور ہر ذی روح کو ہڑپ کر گئے۔ بادشاہ نے وقت کے معروف و مشہور کاھن سطیح سے پوچھا کہ بتاؤ میں نے کیا خواب دیکھا ہے اور اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو سطیح نے اس کا یہی خواب بعینہ بیان کیا اور اس کے بعد اس کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ تمہاری حکومت تباہ ہو جائیگی ایک پاکباز نبی ظاہر ہوگا جس کی طرف خدا کی طرف سے وحی نازل ہوگی اور اس کی حکومت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی۔

اس ہی طرح کسریٰ نوشیرواں نے خواب میں دیکھا کہ شاہی محل میں زلزلہ آیا ہے اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے ہیں اس نے بھی سطیح سے اس کی تعبیر پوچھوائی تو اس کو بھی سطیح نے یہی جواب بھجوایا کہ تمہاری حکومت تباہ و برباد ہوگی اور آخر الزمان نبی کی نبوت کے نور سے ایک عالم منور ہوگا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸۹/ سیرت ابن ھشام ص ۲۹)

اسی طرح حضرت امام ربانی کی ولادت سے قبل اس وقت کے بادشاہ شہنشاہ اکبر نے ایک ہیبت ناک خواب دیکھا کہ شمال کی طرف سے (سرھند شریف دھلی سے شمال کی طرف ہے) ایک آندھی چلی جس نے بادشاہ کو مع اس کے تخت کے اٹھا کر پھینک دیا۔ بادشاہ اس خوفناک خواب کے ڈر سے کئی دن تک گم سم رہا پھر کئی دنوں کے بعد جب اس نے اپنے خاص مصاحبین سے اس کا ذکر کیا تو اس کے مصاحبین نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر کوئی مصیبت آنے والی ہے جس سے آپ کے بنائے ہوئے تمام (باطل) قوانین سلطنت تہس نہس ہو جائیں گے۔

اسی طرح کا ایک خواب بادشاہ کے خاص مصاحب اور اس کی سلطنت کے ایک اہم رکن سید صدر جہاں نے دیکھا کہ سیاہ رنگ کی آندھی چلی جس نے تمام جہاں کو تاریک کر دیا آندھی اتنی تیز تھی کہ اس نے درختوں اور عمارتوں کی بنیادیں ہلا دیں اس آندھی میں بچھو اڑتے ہوئے نظر آئے جو لوگوں کو کاٹ رہے تھے اور لوگ ان کے زہر سے مر رہے تھے اس ہی اثنا میں سرھند سے ایک نور ظاہر ہوتا نظر آیا جس سے تمام زمین و آسمان روشن ہو گئے اور وہ آندھی بھی ختم ہو گئی اور بچھو بھی ہلاک ہو گئے اور خوش رنگ اور خوش شکل پرندے نظر آئے جو خدا کی تسبیح و تقدیس بیان کر رہے تھے۔ صدر جہاں نے جب اپنا یہ خواب وقت کے معروف بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بدعت و

گمراہی کی آندھیوں میں سر ہند سے ایک ولی کامل کی صورت میں اللہ کا نور جلوہ گر ہو گا جس سے تمام ظلمت مٹ جائیگی اور ہدایت کا نور سارے جہاں کو روشن کر دیگا۔ (روضۃ القیومیہ ص ۱۱۳)

بعد از ولادت حیرت انگیز واقعات : حضرت بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت میں نے سنا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام جن وانس اور چرندوں پرندوں کو زیارت کرائی گئی پھر آپ کو آدم علیہ السلام کی صفوت وبزرگی، نوح علیہ السلام کی رقت، ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش، اسماعیل علیہ السلام کی زبان، یوسف علیہ السلام کا جمال، یعقوب علیہ السلام کا بشرہ، داؤد علیہ السلام کی صورت، ایوب علیہ السلام کا صبر یحیٰ علیہ السلام کا زھد عیسیٰ علیہ اسلام کی سخاوت عطا کر دی گئی۔ (شواھد النبوۃ علامہ جامی ص ۵۶) وہ فرماتی ہیں میں نے ایک فرشتہ کو دیکھا جس نے آپ کے کانوں میں گفتگو کی آپ کو بوسہ دیا اور کہا کہ اے میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے خوشخبری ہو کہ بلاشبہ آپ کو تمام اولاد آدم کا سردار بنایا گیا ہے، آپ ہی خاتم النبین ہیں اور علوم اولین و آخرین سے آپ ہی کو نوازا گیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ فرشتے فوج در فوج آپ پر نازل ہو رہے تھے۔ اس روز ایوان کسریٰ کی چودہ کنگرے گر گئے۔ (میلاد رسول ترجمہ مولد العروس، علامہ ابن جوزی ص ۷۹/۸۰)

حضرت امام ربانی کی ولادت کے وقت بھی کچھ اسی قسم کے واقعات رونما ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرے فرزند شیخ احمد کی ولادت کے بعد مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ تمام اولیائے امت ہمارے گھر میں جمع ہیں اور ان میں سے ایک بزرگ فرمارہے ہیں کہ حق تعالیٰ نے گذشتہ اور آئندہ اولیاء کرام کے تمام کمالات شیخ احمد کو عنایت فرمادیئے ہیں اور اسے اپنی رحمت کا خزانہ بنا دیا ہے۔ دوستو! اس کی زیارت کرو کیونکہ رب کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس کی زیارت کریگا میں اس کے گناہ بخشدونگا اور قیامت کے دن اسے اپنے مقربوں میں داخل کرونگا۔

اس کے علاوہ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ میں نے اسی روز یہ بھی دیکھا کہ امام الانبیاء سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم خود ہمارے گھر تشریف فرما ہیں اور آپ کے ہمراہ انبیاء کرام اور فرشتوں کی ایک جماعت ہے سب حضور کو شیخ احمد کی ولادت پر مبارکباد دے رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میرا یہ بیٹا میرے تمام کمالات کا وارث اور میرا قائم مقام ہوگا۔ اس کے علاوہ حضور

نے خود شیخ احمد کے دائیں کان میں آذان دی اور بائیں کان میں تکبیر کہی۔

آپ کے والد حضرت مخدوم عبدالاحد فرماتے ہیں کہ اپنے فرزند شیخ احمد کی ولادت کے دن میں نے دیکھا کہ انبیاء اور اولیاء کی ارواح اور فرشتے اس کثرت سے سرہند میں نازل ہوئے کہ ان کے انوار سے پورا شہر اور اس کے آس پاس کا علاقہ روشن ہو گیا۔ اور میں نے ایک فرشتہ کو یہ کہتے سنا کہ انبیاء و اولیاء کے تمام کمالات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرزند شیخ احمد کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازیگا اور امت مصطفےٰ کے بڑے بڑے اولیائے کرام اس کا اتباع کرینگے۔

اسی طرح اس وقت کے ایک معروف روحانی کامل بزرگ حضرت شیخ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ شیخ احمد کی ولادت کے دن میں نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتے فوج در فوج خانہ کعبہ کے پاس اتر رہے ہیں اور وہاں سے سرہند شریف کی طرف آرہے ہیں اور کعبہ معظمہ کی چھت پر منادی کر رہے ہیں کہ لوگو! آج ہندوستان میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ دین اسلام کو عزت عطا فرمائیگا۔ وہ سنت نبوی کو زندہ کریگا اور اولیائے امت سے افضل واعلیٰ ہوگا۔

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر ایون کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے تھے جو کسریٰ کی حکومت کے زوال کی طرف اشارہ تھا اسی طرح حضرت امام ربانی کی ولادت پر شہنشاہ اکبر کا تخت الٹا ہو گیا۔ لوگوں نے اس کو سیدھا کیا وہ پھر دوبارہ الٹا ہو گیا۔ یہ اشارہ تھا کہ اکبر کی لادین حکومت تباہ و برباد ہو گی اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

والد گرامی پر عورتوں کی فریفتگی : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے والد گرامی کے صلب میں تھے تو آپ کے نور سے آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی پیشانی چمکتی تھی اور آپ اتنے حسین نظر آتے تھے کہ قریش کی تمام عورتیں آپ پر فریفتہ ہو گئیں۔ اور بہت سوں نے آپ سے شادی کی درخواستیں کیں۔ ایک دفعہ کچھ یہودی حضرت عبداللہ کو قتل کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے جب حضرت وھب بن عبدالمناف کو پتہ چلا تو وہ آپ کو بچانے کے لئے اور آپ کی حفاظت کرنے کے لئے گئے لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آسمان سے ایک جماعت اتری اور اس نے حضرت عبداللہ کو ان ظالموں کے شر سے بچا لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت وھب کے دل میں حضرت عبداللہ کی عظمت بیٹھ گئی اور انہوں نے فوراً اپنی بیوی برہ کو حضرت عبداللہ سے اپنی بیٹی آمنہ کی شادی کا پیغام لیکر بھیجا جس کو حضرت

عبدالمطلب نے قبول فرماتے ہوئے حضرت آمنہ سے حضرت عبداللہ کی شادی کر دی۔ (شواھد النبوۃ، علامہ جامی ص ۴۸/۴۹)

اسی سے ملتا جلتا حضرت امام ربانی کے والد گرامی حضرت مخدوم عبدالاحد کی شادی کا قصہ ہے:

ایک دفعہ جب حضرت مخدوم عبدالاحد کا سکندرہ نامہ قصبہ سے گزر ہوا تو وہاں آپ کی پیشانی پر چمکتے ہوئے انوار ولایت کو دیکھ کر لوگ آپ پر فریفتہ ہو گئے۔ ایک سیدہ کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت مخدوم عبدالاحد کے سینے سے ایک نور نکل رہا ہے جس سے تمام آسمان وزمین روشن ہو گئے ہیں اس نور میں سے ایک تخت ظاہر ہوا جس پر ایک نوجوان تکیہ لگائے بیٹھا ہوا ہے اور تخت کے ارد گرد تمام اولیائے کرام کھڑے ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک بزرگ اعلان فرما رہے ہیں کہ یہ مخدوم عبدالاحد کا فرزند شیخ احمد ہے جو اولیائے امت سے افضل ہو گا۔ صبح کو انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہماری تو کوئی بیٹی نہیں جس سے عبدالاحد کا نکاح کریں ان کی اہلیہ نے کہا کہ میری ایک صالحہ عابدہ بہن ہے اس کی شادی مخدوم عبدالاحد سے کر دی جائے، چنانچہ انہوں نے حضرت مخدوم عبدالاحد سے اپنی اس خواہش کا ذکر کیا پہلے تو آپ نے یاد الٰہی میں استغراق اور انہماک کے باعث شادی سے انکار فرمایا لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو آپ نے قبول فرمالیا اور اس طرح آپ کی شادی اس صالحہ اور عابدہ خاتون سے ہو گئی اور ان کے بطن سے ۱۴ شوال ۹۷۱ھ شب جمعہ کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد جیسی نورانی ذات اس عالم میں جلوہ گر ہو گئی۔ آپ کی تاریخ ولادت "خاشع" کے لفظ سے نکلتی ہے۔

اہل نظر کی تعظیم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جب عمر مبارک ۱۲ سال کی ہوئی تو آپ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ہمراہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے جب آپ کا گذر بصریٰ نامی ایک قصبہ سے ہوا تو وہاں "بحیرہ" نام کے ایک مشہور راہب رہتے تھے۔ جو علم و فضل اور روحانی طور پر بڑا کمال رکھتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ ان کی ایک نگاہ التفات کے خواہاں رہتے تھے لیکن وہ کسی کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے۔ لیکن جب یہ قافلہ گزرا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو طالب تھے تو اس قافلہ کی طرف نہ صرف یہ کہ آپ نے خصوصی التفات فرمایا بلکہ پورے قافلہ والوں کی اپنی

طرف سے دعوت کی، تمام قافلہ والے ان کی دعوت میں شرکت کے لئے پہنچ گئے لیکن حضور تشریف نہیں لے گئے تو انہوں نے خصوصی طور سے حضور کے متعلق دریافت کیا اور حضور کو لینے کے لئے آپ کے چچا کو آپ کے پاس بھیجا۔

جب آپ اپنے چچا کے ہمراہ ان کی دعوت میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا اور آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ آپ کا کرتا مبارک اٹھا کر آپ کی مہر نبوت کو دیکھا اور آپ کے چچا سے کہا کہ ان کو واپس مکہ لے جاؤ اور ان کی حفاظت کرو کیونکہ یہی وہ نبی ہیں جن کا توریت اور انجیل میں ذکر ہے۔ یہودی ان کے دشمن ہیں وہ ان کو قتل کر دینگے۔ دیکھو ان کی نبوت کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ یہ جہاں جا رہے ہیں بادل بھی وہیں جا رہا ہے اور ان پر سایہ کر رہا ہے جب یہ کسی جگہ پر ٹھہر جاتے ہیں تو بادل بھی ٹھہر جاتا ہے۔ (شواہد النبوۃ، علامہ جامی ۴۷/۵۷)

یہی شان اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں حضرت امام ربانی کو بھی عطا فرمائی تھی کہ اہل نظر آپ کی پیشانی پر چمکتے ہوئے آثار ولایت کو دیکھ کر آپ کی تعظیم و تکریم بجا لایا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے صدقہ میں آپ کے متعلقین تک کا ادب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ آپ بیمار ہو گئے اتفاق سے ان دنوں اس وقت کے ایک ولئی کامل حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری سرہند تشریف لائے ہوئے تھے۔ ہزارہا لوگ آپ کی دست بوسی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ حضرت امام ربانی کے والد حضرت مخدوم عبدالاحد آپ سے دم کرانے اور آپ سے دعا کرانے کے لئے جب حضرت امام ربانی کو اپنے ہمراہ لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شاہ کمال کیتھلی دور سے ہی آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت خواجہ عبدالاحد نے تعجب سے پوچھا حضرت آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تمہارے ساتھ جو یہ بچہ ہے ہم اس کی تعظیم کر رہے ہیں عنقریب یہ ایسا آفتاب بنے گا کہ مشرق و مغرب اس کے نور سے روشن ہو جائیگا۔ اور اس کی ہدایت کا نور قیامت تک باقی رہیگا۔

پھر آپ کے پاس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جبہ مبارک تھا وہ آپ نے اپنے پوتے شاہ سکندر کو دیا اور آپ کے لئے وصیت فرمائی کہ جب آپ بڑے ہو جائیں تو آپ کو یہ امانت سپرد کر دینا۔ (روضۃ القیومیہ ۱۲۲)

شیطانی وساوس سے حفاظت : حضرت دائی حلیمہ فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کی چراگاہ کی طرف تشریف لے گئے تھے کہ وہاں سے آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی اپنے ساتھ پہاڑوں پر لے گیا ہے اور وہاں جا کر اس نے ان کا سینہ چاک کر دیا ہے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں میں دوڑتی ہوئی وہاں پہنچی اور حضور سے پوچھا تو حضور نے سارا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ دو آدمی آئے تھے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لوٹا تھا ایک کے پاس چاندی کی طشتری تھی وہ مجھے پہاڑ پر لے گئے وہاں جا کر انہوں نے میرا سینہ ناف تک چاک کیا لیکن مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی انہوں نے اندر سے چیر کر میرا دل نکالا پھر اس دل کو چیر کر اس میں سے سیاہ خون نکالا اور اسے باہر پھینک دیا پھر مجھ سے کہا یہ آپ کے اندر خراب مادہ تھا جو ہم نے نکال دیا ہے۔ اب آپ شیطان کے وسوسوں سے بالکل محفوظ ہو گئے ہیں۔ پھر انہوں نے میرے دل کو واپس سینہ میں رکھا اور نور کی مہر لگا دی۔ (شواہد النبوۃ، علامہ جامی ص ۶۵، السیرۃ النبوۃ، ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۲۸)

حضرت امام ربانی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی کمال سے سرفراز فرمایا کہ وہ مادہ جو شیطانی وساوس کا باعث ہوتا ہے اسے آپ کے سینے انور سے نکال کر آپ کو بھی شیطانی وساوس سے محفوظ و مامون کر دیا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ ظہر کے بعد حلقہ ذکر میں بیٹھا ہوا ایک حافظ سے قرآن کی تلاوت سن رہا تھا کہ اچانک چند وسوسے میرے دل میں آئے میں بہت متفکر ہوا اور سوچنے لگا کہ جب اللہ نے نفس مطمئنہ عطاء فرما دیا اور فنا و بقا کی منزل سے بھی ہمکنار فرما دیا تو اب یہ خطرات اور ساوس دل میں کیوں آرہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت تضرع وزاری کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پرندہ میرے سینہ سے نکل کر اڑا اور باہر چلا گیا۔ میں نے حیران ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ یہ کیا چیز تھی؟ جواب آیا یہ خناس تھا جو دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اسی خناس سے پناہ مانگنے کا حکم سورۃ الناس میں دیا گیا ہے۔ دل میں جو بھی برا خیال آتا ہے وہ اسی کی وجہ سے آتا ہے لیکن ہم نے تمہارے سینہ سے یہ خناس نکال دیا ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں اس خناس کے نکل جانے کے بعد مجھے ایک عجیب قسم کا شرح صدر حاصل ہو گیا۔
(حضرات القدس / علامہ بدر الدین ج دفتر دوم ص ۱۰۹)

جسمانی حسن : حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے ماموں ھند بن ابی ہالہ سے کہا

میرے نانا جان کا حلیہ بیان کیجئے تو انہوں نے ان الفاظ میں حضور کے جسم اقدس کے حسن اور اس کی نظافتوں کو بیان فرمایا کہ آپ کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ آپ کا قد مبارک متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا۔ لیکن بہت لمبے قد والے سے پست تھا ایک روایت کے مطابق آپ نہ بہت زیادہ لمبے تھے۔ نہ پستہ قد تھے بلکہ درمیانی قد تھا جو مائل بدرازی تھا، آپ کا رنگ مبارک نہایت چمکدار تھا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ گندم گوں تھے لیکن سفیدی کی طرف مائل آپ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی، آپ کی ابرو مبارک نہایت باریک اور گنجان تھیں، آپ کی ناک مبارک بلندی کی طرف مائل تھی، آپ کی داڑھی مبارک خوب گھنی تھی۔ آنکھ مبارک کی پتلی نہایت سیاہ تھی، آپ کے دندان مبارک باریک اور آبدار تھے، آپ کی نظریں نیچی رہتی تھیں۔ (شمائل ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۷ تا ۱۷)

حضرت امام ربانی کے سوانح نگار حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی بعینہ یہی نقشہ حضرت امام ربانی کا بیان فرما رہے ہیں اور آپ کے جسمانی حُسن کی انہی الفاظ میں تصویر کشی کر رہے ہیں۔

بعثت : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کونسے مہینے میں ہوئی اس میں مورخین اور محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوئی بعض کہتے ہیں ربیع الاول شریف کے مہینہ میں ہوئی، لیکن حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ آپ کی "بعثت" ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی (زاد المعارج ا ص ۲۸)

مصنف ابن ابی شبہ میں حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے ایک روایت نقل کی گئی ہے اس سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اسی میں آپ کی بعثت ہوئی اور اسی میں آپ کو معراج ہوئی اور اسی میں آپ نے ہجرت فرمائی (سیرت ابن کثیر ج ا ص ۱۹۹)

بعض سیرت نگار جو رمضان المبارک کے قول کو ترجیح دیتے ہیں وہ دلیل کے طور پر یہ آیہ مبارکہ پیش کرتے ہیں کہ "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" لیکن علامہ ابن قیم ان کی اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں قرآن کی ایک بارگی لوح محفوظ سے بیت العزۃ

(آسمان دنیا) پر نازل ہونا مراد ہے جو رمضان المبارک کی شب قدر کو ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ ربیع الاول کے مہینہ میں نازل ہوئی ہے۔ بہر حال یہ بات ثابت ہو گئی کہ جمہور کا قول اور مورخین ومحدثین کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ حضور کی بعثت ربیع الاول شریف کے مہینہ میں ہوئی ہے۔

یہ دستور قدرت رہا ہے کہ جب بھی کفر و شرک اور فسق وفجور کا اندھیرا چھاجاتا تھا تو اس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نبی کو مبعوث فرمایا کرتا تھا جو اس ظلمت کو دور کر کے رشد وہدایت کے نور سے عالم کو روشن کر دیا کرتا تھا لیکن چونکہ ہمارے نبی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک اب کوئی نبی نہیں آنا اس لئے اب جب بھی کفر و شرک و فسق وفجور کا اندھیرا چھانے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضور کی امت میں علمائے حق کو "مجدد" بنا کر مبعوث فرماتا ہے۔ جو اپنے رشد وہدایت کے نور سے ان کفر وعصیاں کی ظلمتوں کو کافور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس پر یہ حدیث مبارک شاہد ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اِنَّ اللہ عَزوجَل یَبعَثُ لِھٰذہِ الاُمة علےٰ راس کُل ماة سنة من یُجدِدُ لھادینھا " (سنن ابو داؤد / مستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۲۲ / مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم / مسند بزاز / معجم اوسط للطبرانی / البیہقی / کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۸ / حلیہ ابو نعیم / مسند بزاز / مسند حسن بن سفیان / کامل ابن عدی / مرقاۃ الصعود، جلال الدین سیوطی) یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر مجدد بھیجتا رہتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے یعنی اس کو تر و تازہ کرتا ہے اس حدیث مبارکہ میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ جس طرح قرآن پاک میں انبیائے کرام کے لئے بعثت کا لفظ لایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا حتیٰ نبعث رسولا (الاسراء ۱۷/۱۵) دوسرے مقام پر فرمایا " ولقد بعثنا فی کل امة رسولا (النحل ۱۶/۳۲) تیسرے مقام پر فرمایا " فبعث اللہ النبیین مُبَشرین و منذرین (البقرہ ۲/۲۱۳) اسی طرح اس مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں "مجدد" کے لئے بھی بعثت کا لفظ لایا گیا ہے جیسا کہ حضور نے فرمایا " ان اللہ عزوجل یبعث " اس سے پتہ چلا کہ جس طرح نبوت میں کسی کی ذاتی محنت اور کسب یا کسی کی تجویز و تائید کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ "وہ من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے" اسی طرح مجدد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اس کے "منصب مجددیت" کے ملنے میں اس کی خود اپنی کسی کاوش یا کسی دوسرے کی کسی تجویز و تائید کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

پھر مخلوق خدا کی رشد وہدایت اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں اور منکرات کو دور کرنے کی جس طرح نبی سعی کرتا ہے اسی طرح مجدد بھی ان مفاسد سے معاشرہ کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے

اور تیسری بات یہ بھی ثابت ہو گئی کہ چونکہ اب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور مجدد اب نبی کے قائم مقام بن کر آتا ہے اور اسی کا کام کرتا ہے جیسا کہ حضور نے فرمایا "علماء امتی کا نبیاء نبی اسرائیل" لہذا جو کمالات، مراتب شانیں اور عظمتیں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عطا فرمائی ان میں سے بعض سے مجدد کو بھی نوازا جاتا ہے۔ مثلاً نبیوں کی بعثت میں اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ الوالعزم انبیائے کرام کو ہزار سال بعد مبعوث فرمایا اسی طرح امت مسلمہ میں بھی ہر صدی میں مجدد آئینگے لیکن الوالعزم مجدد ہزار سال کے بعد آئیگا۔

بہر حال جس طرح اللہ تعالیٰ نے انتالیس سال کی عمر کے بعد ربیع الاول کے مہینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت نبی کے عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس متبع خاص یعنی حضرت امام ربانی کو بھی انتالیس سال کی عمر کے بعد اسی ربیع الاول شریف کے مہینہ میں مخلوق خدا کی رہبری و ہدایت کے لئے بحیثیت مجدد مبعوث فرمایا۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آپ کے زمانے تک ہزار سال ہو جاتے ہیں اس لئے الوالعزم انبیاء کی طرح آپ کو الوالعزم مجدد یعنی مجدد الف ثانی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت من جانب اللہ تھی اسی طرح بحیثیت مجدد آپ کی بعثت بھی منجانب اللہ تھی اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خلیفۃ اللہ ہیں اور آئینہ خدا نما ہیں ان کے ذریعہ آپ کو خلعت تجدید الف ثانی سے سرفراز فرمایا گیا۔ چنانچہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جمعہ کے روز دسویں ربیع الاول شریف کو آپ صبح کے وقت حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام ملائکہ مقربین اور مقتدر اولیائے امت کے ہمراہ جلوہ افروز ہوئے اور خود اپنے دست انور سے ایک نہایت شاندار نورانی خلعت حضرت امام ربانی کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدید الف ثانی کی خلعت ہے ہم نے تمہیں اپنی امت کے واسطے اپنا نائب اتم مقرر کیا ہے۔ (روضۃ القیومیہ ۱۶۴/۱۷۰)

اعلان مجددیت الف ثانی : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مبعوث من اللہ تھے۔ اسی طرح آپ اپنی اس نبوت کے اعلان پر بھی مامور من اللہ تھے چنانچہ آپ نے اپنی نبوت کا ببانگ دھل اعلان فرمایا۔ اسی طرح حضرت امام ربانی کی بطور مجدد الف ثانی بعثت بھی من جانب اللہ تھی اور آپ بطور تحدیث نعمت اور بغرض استفادہ مخلوق خدا اس کے اعلان پر مامور من اللہ تھے اس لئے آپ نے مکاتیب

شریفہ میں کئی مقامات پر واضح طور پر اس کا اعلان فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ کے مکاتیب گرامی سے چند اقتباسات پیش ہیں۔

اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے نام ایک مکتوب گرامی میں آپ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"اور میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہے میرے علم میں پورا ہو گیا ہے اور ہزار سالہ تجدید کی دعا مقبول ہو گئی ہے۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان صلہ اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنادیا" (مکتوب ۲ دفتر دوم حصہ اول ص ۷ ۹۵)

میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب گرامی میں مزید وضاحت کیساتھ فرمایا۔

"فقیر عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے اور عرض کرے بھی تو اسے کون سمجھے گا کون پائیگا اور کیا پائیگا۔ یہ معارف دائرہ ولایت سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت علمائے ظواھر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سینے سے اخذ کئے گئے ہیں جو دوسرے ہزار کے آغاز کے بعد تبعیت اور وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں ان علوم و معارف والا اس ہزار سال کا مجدد ہے۔ جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں اور جو احوال و مواجید تجلیات اور ظہورات سے متعلق میں دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تو صاحب نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور علوم علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں بلکہ ان کے علوم ان علوم کی نسبت چھلکا ہیں اور وہ معارف اس چھلکے کا مغز ہیں۔ اور اللہ سبحانہ ہی ہدایت دینے والا ہے" اور جان لیں کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے۔ جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے ان دو مجددوں میں بھی اسی طرح فرق ہے۔ بلکہ اس سے

زیادہ اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ فیوض وبرکات میں سے جو کچھ اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے اس کے واسطے سے پہنچتا ہے اگرچہ اسوقت کے قطب اور اوتاد ہوں اور ابدال و نجباء ہوں" مصلحت عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو خاص کر لیتا ہے"
(مکتوب نمبر ۴، دفتر دوم حصہ اول ص ۹۵۴)

اپنے ایک اور مکتوب میں اپنے اسی مقام مجددیت الف ثانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں۔ اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جب کہ پہلی امتوں میں ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں الوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا اور اس امت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر خاتم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے اور علماء کے وجود کیساتھ انبیاء کے وجود سے کفایت کی ہے اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس امت کے علماء میں ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تاکہ شریعت کو زندہ کرے خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور ہر پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے اسی طرح اسی وقت ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے الوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو" (مکتوب نمبر ۲۳۴، دفتر اول حصہ چہارم ۵۴۸)

میر نعمان کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں بطور تحدیث نعمت اپنے اسی مقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور یہ آخریت ہے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا "اولهم خیر ام آخرهم" (انمیں سے اول بہتر ہیں یا آخر) اور اس

امت کی آخیریت کا شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرماجانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتداء ہے کیونکہ الف یعنی ہزار سال گزرنے کو امور کے تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے اور چونکہ اس امت میں نسخ اور تبدیلی نہیں ہے اس لئے سابقین کی نسبت اسی تروتازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مھدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں۔

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحامی کرد

(روح القدوس اگر پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے)

"اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور ان کے فہم سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور احوال کی صحت وسقم علوم شرعیہ کی مطابقت اور عدم مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر دیکھیں کہ ان میں سے کس میں زیادہ تر ہے تو امید ہے کہ یہ تعجب ان کا جاتا رہیگا اور یہ بات ان کو فہم سے دور معلوم نہ ہوگی۔
(مکتوب ۲۶۱، دفتر اول حصہ چہارم ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷)

اقرار مجددیت : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت پر سر تسلیم ختم کرتے ہوئے جس طرح ابوبکر صدیق حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ' وغیرہ نے اس کو تسلیم کیا اسی طرح حضرت امام ربانی کے اعلان مجددیت الف ثانی کو وقت کے اکابر اولیاء اور علماء نے تسلیم کیا بشارتیں دیں اور ان کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا۔ چند اولیائے امت اور علمائے ملت کے ارشادات پیش خدمت ہیں :

علامہ عبدالحکیم سالکوٹی : حضرت مخدوم محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "مجدد الف ثانی" بنایا ہے اگر وقت کے علماء بھی اس بات

کو تسلیم کر لیتے تو پوری تائید ہو جاتی، یہ دل میں خیال آتا تھا کہ حضرت امام ربانی میرے دل کے اس وسوسہ پر مطلع ہو گئے اور فوراً میری تسلی کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا علوم نقلیہ وعقلیہ میں بڑا بلند مقام ہے۔ انہوں نے فقیر کو ایک خط لکھا ہے اس میں جہاں بہت سے القاب لکھے ہیں وہاں ایک لقب "مجدد الف ثانی" بھی لکھا ہے۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ اس خط کے آنے کے بعد ایک روز علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خواب میں حضرت امام ربانی کو دیکھا کہ آپ یہ آیت پڑھ رہے ہیں "قل اللہ ثم ذرھم (اللہ کہو پھر ان کو چھوڑ دو) یہ خواب دیکھتے ہی آپ چند دنوں کے بعد حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چل دیئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر طریقت وحقیقت کے معارف سے فیضیاب ہوئے اور حضرت کے مخلصین میں شامل ہو گئے۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ تجدید الف ثانی کے حامل کو اگر ان علوم ومعارف اور مراتب علیا سے نوازا جائے تو یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے۔ (زبدۃ المقامات، محمد ہاشم کشمی ص ۲۵۳)

علامہ داؤد قیصری : فصوص الحکم کے شارح علامہ داؤد قیصری آپ کے تجدید الف ثانی کی پیشگوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر ایک اسم اور ستارہ کا دورہ ہزار سال بعد ہوتا ہے انبیائے اولوالعزم کی شریعتیں بھی ہزار ہزار سال رہتی تھیں۔ لہذا اس امت میں بھی ہزار سال بعد ایک شخص مبعوث ہوگا جو دین کی تجدید کریگا اور انبیائے اولوالعزم کا قائم مقام ہوگا (روضۃ القیومیہ ص ۱۰۱)

شیخ الاسلام احمد جام : شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے مقامات میں آپ کی ولادت سے قبل آپ کی تشریف آوری اور "تجدید الف ثانی" کے منصب پر فائز ہونے کی نشاندھی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے بعد سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہونگے جس میں سے آخری شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا۔ اور وہ امت محمدی کے تمام اولیاء سے افضل ہوگا۔ (روضۃ القیومیہ ص ۱۰۲)

شیخ ابوالحسن چشتی : خاندان چشتیہ کے ایک کامل بزرگ شیخ ابوالحسن چشتی نے حضرت امام ربانی کی ولادت کی رات ایک خواب دیکھا کہ شہر سرھند میں تمام اولیاء امت جمع ہیں اور ان کے درمیان ایک نور کا ممبر رکھا ہوا ہے جس پر ایک مرد باخدا تشریف فرما ہو کے فرما رہے ہیں کہ لوگو! تمہیں مبارک

ہو آج کی رات وہ شخص پیدا ہو رہا ہے جس کی روح کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزار سال اپنی گود میں تربیت فرمائی ہے۔ اس امت کے اولیاء کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطاء ہوئے وہ سب اس ایک ذات میں مجتمع کردیئے گئے ہیں (روضۃ القیومیہ ۱۲۰)

شاہ غلام علی دھلوی : حضرت شاہ غلام علی دھلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا مجدد الف ثانی کے لقب سے ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"آپ مجدد الف ثانی ہیں، آپ کے حقائق و دقائق، معرفت کی باتوں اور آپ کے فیوض وبرکات نے بہت سے دلوں کی اصلاح فرمائی ہے آپ نے سچے الہامات کے ذریعہ اپنے طریقہ میں بلند مقامات مقرر فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کے بلند مراتب ہیں۔ (مکاتیب شاہ غلام علی دھلوی مکتوب نمبر ا ص ۵)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی : مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بیہقی وقت کے لقب سے یاد کرتے تھے وہ اپنی تفسیر مظہری میں جابجا قال المجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ج ۵ ص ۶۵) کہہ کے بطور سند آپ کے اقوال نقل فرماتے ہیں جبکہ اپنی دوسری تصنیف ارشاد الطالبین میں آپ کے اس لقب "مجدد الف ثانی" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جب ہزار سال گزر گئے اور اولوالعزم پیغمبر کے آنے کا وقت ہو گیا تو اللہ تعالی نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق دوسرے ہزار سال کے لئے ایک مجدد پیدا فرمایا جس کا تمام مجدد اولیائے کرام میں وہی مقام ہے جو اولوالعزم پیغمبر کا تمام انبیاء میں مقام ہوتا ہے اور اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے خمیر سے پیدا کیا اور اس کو وہ کمالات اور مقامات عطا فرمائے جو کسی نے نہیں دیکھے" (ارشاد الطالبین، قاضی ثناء اللہ ص ۶۳)

شیخ عبدالحق محدیث دھلوی : شیخ عبدالحق محدث دھلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں آپ کو مجدد الف ثانی سمیت مندرجہ ذیل عظیم القاب سے یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قدوۃ الاخیار زبدۃ المقربین الابرار قطب الاقطاب جہانیاں مآب مظہر تجلیات الٰہی

مصدر برکات نامتناہی امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

صرف یہ نہیں کہ شیخ محقق علی الاطلاق نے آپ کو مجدد الف ثانی فرمایا بلکہ اس لقب کی حقانیت پر استدلال کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں۔

"آپ کے جو معارف و حقائق سنے گئے اور آپ کی جو رشد و ہدایت دیکھی گئی وہ بلند آواز سے بتا رہی ہے کہ ان کا حامل مجدد ہے، اور مجدد بھی مجدد مائۃ یعنی سو سال کا مجدد نہیں بلکہ مجدد الف ثانی یعنی ہزار سال کا مجدد ہے۔ سو اور ہزار کے درمیان کوئی چھوٹا نہیں بڑا فرق ہے۔ کاش تم اس کو جانتے ہوتے (اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق ص ۳۱۴)۔

خواجہ عبداللہ : حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے منظوم کلام میں آپ کے مجدد ہونے کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

امام زماں قطب اقطاب عالم
کہ چوں او ندانم کہ بگذشت یک تن
زبس ہمت و وسعت فیض باطن
بہ تجدید الف دوم شد معین

(حضرات القدس، بدرالدین، ۲۶۵)

مرزا مظہر جان جاناں : وقت کے ایک اور عارف کامل اور ولی برحق حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک مکاشفہ بیان فرمایا ہے جس سے حضرت امام ربانی کی بارگاہ مصطفوی میں عظمت و مقبولیت کا جہاں پتہ چلتا ہے وہاں اس لقب مجدد الف ثانی کی حقانیت بھی آشکار ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کی زیارت سے مشرف ہوا میں نے حضور سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا مثل ایشاں در امت من دیگر کیست کہ ان جیسا میری امت میں اور کون ہے پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے مکتوبات آپ کی نظر سے گ...

آپ نے فرمایا اگر تمہیں کچھ یاد ہے تو اس میں سے کچھ سناؤ، میں نے حضور کو مکتوبات کی یہ عبارت پڑھ کر سنائی کہ انهٗ اللہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء کہ اللہ تعالیٰ بلند سے بلند تر ہے۔ آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور اس سے بڑے لطف اندوز ہوتے ہوئے فرمایا اسے دوبارہ پڑھو میں نے دوبارہ یہی عبارت پڑھی تو آپ نے اس کی بڑی تحسین فرمائی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے۔ (حضرت مجدد الف ثانی، سید زوار حسین شاہ، ص ۳۶۸)

اس کے علاوہ حضرت امام ربانی کی اولاد و احفاد اور ان کے ہزاروں خلفاء اور اس وقت سے اب تک سلسلۂ نقشبندیہ میں آنے والے اور دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلے ہوئے لاکھوں اولیاء اور علماء نے ہر دور میں حضرت امام ربانی کے تجدیدی کارناموں کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے تجدید الف ثانی کے منصب کو تسلیم کیا اور آپ کو "مجدد الف ثانی" مانا اور اس کا اقرار کر کے روحانیت کے اعلیٰ مراتب حاصل کئے۔ گویا یوں سمجھ لیجئے کہ اولیاء اور علماء کا آپ کے مجدد الف ثانی ہونے پر اتفاق اور اجماع ہے۔

تسامح : اس مقام پر بھی بعض علمائے کرام اور سوانح نگار حضرات سے کچھ تسامح ہو گئے جن کا ازالہ ضروری ہے۔

پہلا تسامح : بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ مجدد صرف سو سال کا ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں صرف سو سال کے مجدد کا ذکر ہے۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجدد الف ثانی ہزار سال کے مجدد ہیں یہ بالکل غلط ہے اور خود ساختہ قول ہے۔ مجدد الف ثانی کا یہ مطلب ہے کہ آپ ہیں تو صرف سو سال کے مجدد لیکن چونکہ آپ دوسرے ہزار سال کی ابتداء میں آئے ہیں اس لئے آپ کو مجدد الف ثانی کہہ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ہزار سال کے مجدد ہیں۔

بعض علمائے کرام اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور انہوں نے بھی مجدد الف ثانی کا استعمال مندرجہ بالا معنی میں کرتے ہوئے اس سے ہزار سال کے مجدد کے معنی لینے کا نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ اس کو جاھلانہ خیال قرار دے ڈالا۔

ان علمائے کرام کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ مجدد الف ثانی جیسے امور کا دارومدار اولیائے کرام کے کشف اور الہامات پر ہے جبکہ اولیائے کاملین کے کشف اور الہامات کی حقانیت قرآن و حدیث

سے ثابت ہے چنانچہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ "جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ پریشان ہوئیں کہ فرعون پیدا ہونے والے تمام لڑکوں کو قتل کرادیتا ہے لہذا اس بچہ کو بھی قتل کرادے گا، جب وہ بہت پریشان ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ ان کو الہام فرمایا کہ اس بچہ کو دریا کے حوالہ کردو چنانچہ آپ نے اس الہام پر عمل کرتے ہوئے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا کی موجوں کے حوالے کردیا اور بے فکر ہوگئی۔ قرآن پاک کی اس آیۃ مبارکہ میں اس واقعہ کا یوں ذکر کیا گیا ہے" و او حینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیه فاذ خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انارا دوہ الیك و جاعلوہ من المرسلین (پ ۲۰ قصص ۷)

اس طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے والی تھی اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ کی طرف سے الہام ہوا جس کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے" وھزی الیك بجزع النخلة تساقط علیك رطبا جنیا" (پ ۱۶ سورۃ مریم آیت ۲۵) ترجمہ :اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تو تمہارے اوپر تازہ پکی کھجوریں گرینگی۔ انہیں کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ سابقہ امتوں کی جو مومنہ صالحہ اور ولیہ خواتین تھیں ان پر اللہ تعالیٰ نے الہامات فرمائے۔ تو پھر وہ امت جس کو قرآن پاک میں "کنتم خیر امة" کہہ کے اللہ تعالیٰ نے تمام امم سابقہ میں سب سے بہتر افضل اور اعلیٰ امت قرار دیا ہو اس امت کے اولیا جو سابقہ امتوں کے اولیا سے بھی افضل و اعلیٰ ہوں وہ الہامات سے کب محروم رہ سکتے ہیں؟ ماننا پڑیگا کہ اس خیر الامم کے اولیائے کاملین کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے کشف اور الہامات سے نوازا جاتا ہے۔ بلکہ ایک اور آیۃ مبارکہ میں تو استقامت اختیار کرنے والے کاملین اولیاء اللہ پر فرشتوں کے نزول اور ان کی طرف سے الہامات کو واضح الفاظ میں قرآن یوں بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقامو تتنزل علیھم الملٰئکة اَن لا تخافوا ولا تحزنوا وابشرو بالجنة التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الآخرۃ (پ ۲۴ سورۃ حٰم السجدہ ۳۰۔۳۱) ترجمہ : جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر استقامت اختیار کی تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں جو ان سے یہ کہتے ہیں کہ تم خوف اور غم نہ کرو اور انہیں جنت کی بشارت دیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم دنیا و آخرت میں تمہارے دوست اور مددگار ہیں"

اس آیت کے تحت علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ فرشتوں کے نزول سے اس بندہ کو شرح صدر

حاصل ہو جاتا ہے اور ان کے الہام سے اس کا خوف و غم دور ہو جاتا ہے امام رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ فرشتے انسانی روحوں میں اثر رکھتے ہیں انہیں الہام کرتے ہیں اور انہیں مکاشفہ کراتے ہیں جس طرح شیطان کا روحوں میں اثر ہے کہ وہ انہیں وسوسے اور غلط خیال دل میں ڈالتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الہام غیب کے چراغ کی روشنی ہے جو صاف اور فارغ دل پر پڑتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو قلوب دنیاوی کدورتوں اور گناہوں کی آلائشوں سے پاک و صاف ہوتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے سچے کشف والہامات سے نوازا جاتا ہے اس پر قرآن شاہد ہے

کشف والہامات کی صداقت احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ سابقہ امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے جنہیں الہام ہوتا تھا اب میری امت میں ایسے لوگوں میں سے حضرت عمر سر فہرست ہیں۔ چنانچہ نہاوند کے مقام پر جس لشکر کو آپ نے بھیجا تھا اس کو مسجد نبوی میں سے بیٹھ کر حضرت عمر نے دیکھ بھی لیا اور یا ساریۃ الجبل کہہ کے وہیں سے اس کی رہنمائی فرما کے اس کو فتح سے ہمکنار بھی کر دیا یہ آپ کے کشف کا بین ثبوت ہے۔ حضرت عثمان غنی کے کشف کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص راستہ میں ایک عورت کو شہوت بھری نظر سے دیکھ کر جب آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس اس حال میں آتے ہو کہ تمہاری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی کشف اور الہام کی حقانیت پر بڑی واضح دلیل ہے۔ آپ فرماتے ہیں" اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله " (ترمذی) کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ خلوت اور ذکر کے نتیجہ میں حواس کے پردے اٹھ جاتے ہیں پھر آدمی کو ان جہانوں پر اطلاع ہو جاتی ہے جس کا ظاہری حواس میں گرفتار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔

بہر حال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اولیائے کاملین کے کشف اور الہامات درست اور برحق ہوتے ہیں کیونکہ ان کی حقانیت مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔ لہذا تجدید الف ثانی بھی چونکہ حضرت امام ربانی جیسے ایک ولی کامل کا کشف اور الہام ہے لہذا مندرجہ بالا آیات اور احادیث کی رو سے نہ اس کی حقانیت میں کوئی کلام کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو خلاف حدیث یا "جاھلانہ خیال" قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ خاص "مجدد الف ثانی" کا چونکہ کسی حدیث میں ذکر نہیں اس لئے یہ غلط اور جاہلانہ باتیں ہیں تو میں عرض کرونگا کہ سینکڑوں اولیائے کرام کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مکاشفات الہامات اور مقامات ایسے ہیں کہ خصوصیت کیساتھ ان کا کسی حدیث میں کوئی ذکر نہیں پھر تو اس دلیل کی رو سے وہ بھی سارے کے سارے غلط اور جاہلانہ خیال قرار پائینگے۔ (معاذ اللہ) مثلاً

(۱) حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے تمام اقطاب کا حاکم بنایا گیا ہے، مہینے اور زمانے میرے پاس حاضری دیکر گزرتے ہیں، اللہ کے تمام شہروں پر میرا حکم چلتا ہے، اولیاء اللہ میں میرے مثل کوئی نہیں، میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ آفتاب اس وقت تک طلوع نہیں ہوتا جب تک کہ میری بارگاہ میں سلام پیش نہ کردے۔

(۲) حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھے اس وقت اجازت دی جب میں زمین کے نیچے تحت الثریٰ سے لیکر عرش معلیٰ تک سب کچھ دیکھتا تھا۔ انہوں نے فرمایا مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا تم معین الدین اور قطب المشائخ ہو۔

(۳) حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ روئے زمین میرے سامنے ناخن کی طرح ہے۔ اور مجھے القا ہوا ہے کہ تم جو کہو گے وہ ہی ہو جائیگا۔

(۴) حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ فرمارہے ہیں کہ نظام الدین تم سے ملنے کا ہمیں بڑا اشتیاق ہے۔

(۵) حضرت بابا فرید شکر گنج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی میری زندگی میں مجھ سے بیعت ہوگا یا میرے ساتھ مصافحہ کریگا یا میرے بیٹوں یا مریدوں یا خاندان میں سے کسی سے بیعت ہوگا دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

(۶) حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز اعلان کروایا کہ مجھ پر القا ہوا ہے کہ آج کے روز جو شخص میری زیارت کریگا وہ قیامت کے دن دوزخ میں نہیں جائیگا۔

اس جیسے سینکڑوں ہزاروں اولیائے کرام کے مشاہدات اور مکاشفات ہیں جن کا خصوصیت کیساتھ کسی حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔

اسی طرح غوث اعظم ، معین الدین القاب کا بھی کسی حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ لیکن آج تک کسی نے نہ ان کو غلط کہا اور نہ ان کو جاهلانہ خیال قرار دیا، لہذا حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجدید الف ثانی یا قیومیت یا دیگر مکاشفات اور الہامات کا خصوصیت کیساتھ حدیث میں ذکر نہ آنے پر ان کو غلط یا جاہلانہ خیال قرار دینا کسی طرح بھی درست اور قرین انصاف نہیں۔

دوسرا تسامح : بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت امام ربانی نے خود دعوائے تجدید نہیں فرمایا حالانکہ ہم نے مکاتیب شریفہ سے حضرت امام ربانی کی جو عبارات نقل کی ہیں اس سے واضح طور پر خود حضرت امام ربانی کی طرف سے اس کا ادعا ثابت ہو رہا ہے، مثلا آپ کا یہ فرمانا کہ "مری پیدائش سے جو مقصود ہے وہ پورا ہو گیا اور ہزار سالہ تجدید کی دعا قبول ہو گئی" دوسرے مقام پر فرمایا "یہ علوم انوار نبوت علیٰ اربابها الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سینہ سے تبعیت اور وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں۔ اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پزیر ہوئے ہیں ان علوم و معارف والا اس ہزار سال کا مجدد ہے" ایک اور مقام پر فرمایا کہ یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں" خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے تابعین بزرگوں پر بھی اپنا پر تو ظاہر کیا ہے اور تبع تابعین پر بھی اپنا سایہ ڈالا ہے پھر یہ دولت پوشیدہ ہو گئی حتیٰ کہ آمد سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے الف ثانی تک نوبت آگئی اور اس وقت پھر یہ دولت تبعیت اور وراثت کے طور پر ظاہر ہو گئی ہے اور آخر کو اول سے مشابہہ کر دیا ہے (مکتوب ۳۰۱ دفتر اول)

ان الفاظ و کلمات کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے اس کا ادعا اور اعلان خود حضرت امام ربانی کی طرف سے نہیں ہوا۔

ہو سکتا ہے ان سوانح نگار حضرات نے یہ سوچ کر کہ خود تجدید کا دعویٰ اور اعلان کرنا خود بینی اور خود ستائی کے زمرہ میں آتا ہے اس لئے انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ حالانکہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس طرح نبی کی بعثت من جانب اللہ ہوتی ہے اور اس کے اعلان پر نبی منجانب اللہ مامور ہوتا ہے اسی طرح مجدد کی بعثت بھی منجانب اللہ ہوتی ہے اور وہ اسی طرح اس کے اعلان پر من جانب اللہ مامور ہوتا ہے تاکہ مخلوق خدا اس کے مرتبہ سے آشنا ہو کر اس کی طرف رجوع کرے اور اس سے اکتساب فیض کرے۔

اس کے علاوہ نعمت کے ملنے پر بطور شکرانہ اس کے بیان کرنے کا رب نے قرآن میں اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ "واما بنعمة ربك فحدث" کہ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو۔ لہذا تجدید الف ثانی" جیسی عظیم نعمت کے ملنے پر بطور شکرانہ اس کا بیان کر کے در حقیقت حضرت امام ربانی نے قرآن پاک پر عمل کیا اور تحدیث نعمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا شکریہ ادا کر کے اس کے حکم کی بجا آوری فرمائی ہے۔

چنانچہ جس مکتوب میں آپ نے اپنے تجدید الف ثانی کا اعلان فرمایا ہے اسی مکتوب گرامی کے آخیر میں لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ان وسوسوں کا پہلے سے تدارک کرتے ہوئے آپ نے اسی جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

> "اس گفتگوں سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو اور اس طریقہ کے طالبوں کو ترغیب ہو نہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت و بزرگی ثابت ہو خدائے تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو گا جو بزرگان دین سے اپنے آپ کو افضل جانے
> (مکتوب ۲۶۱، دفتر اول حصہ چہارم ۶۲۳)

علاوہ ازیں چونکہ آپ کی پوری زندگی اول سے آخر تک اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اس معاملہ میں بھی اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کیوں نہ ہو، آپ کی بطور مجدد بعثت کا مقصد ہی بدعت کی ظلمتوں کو ختم کر کے سنت اور اتباع رسول کے نور سے عالم کو منور کرنا تھا۔ لہذا اس اعلان کے معاملہ میں بھی آپ اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ ذرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر ایک نظر ڈالیئے کہ اللہ نے آپ کو جن جن خصائص و کمالات سے سرفراز فرمایا آپ نے اس کا کس طرح اظہار و اعلان فرمایا آپ کے اقوال کی روشنی میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ آپ نے فرمایا

(۱) کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد (مسند احمد ج ۴ ص ۹۷ ۳)
میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔

(۲) و انا خاتم النبیین . (بخاری و مسلم) اور میں خاتم النبیین ہوں۔

(۳) انا سید ولد آدم ولا فخرلی (مسلم کتاب الفضائل/ترمذی کتاب التفسیر) میں اولاد آدم کا سردار ہوں لیکن مجھے اس پر فخر نہیں۔

(۴) بعثت الیٰ الناس عامة واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی (مسلم کتاب المساجد) مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ غنائم میرے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں حالانکہ اس سے پہلے یہ کسی پر جائز نہیں تھے۔

(۵) فضلت علےٰ الانبیاء بست . آلخ (مسلم کتاب المساجد)
مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔

(۶) بیدی لواء الحمد ولافخر آدم فمن دونه تحت لوائی ولا فخر (مسند احمد ص ۲۸)
میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں آدم اور ان کے بعد جتنے انبیاء آئے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

(۷) انا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیامة و انا اول من یقرع باب الجنة (مسلم کتاب الایمان)
قیامت کے دن میرے امتی تمام انبیاء کے امتیوں سے زیادہ ہونگے اور میں سب سے پہلا شخص ہونگا جو جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاؤں گا۔

ان احادیث مبارکہ میں آنحضرت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحدیث نعمت کے اپنے کمالات خاصہ اور خصوصی مراتب اور مقامات کا خود ذکر اور اعلان فرمایا اسی طرح حضرت امام ربانی نے بھی اپنے "مجدد الف ثانی" اور قیومیت وغیرہ کا خود اعلان اور اظہار فرما کے معاملہ میں بھی اپنے نبی کے اتباع کی سعادت سے اپنے آپ کو بہرہ ور کر لیا۔

تیسرا تسامح : بعض عصر حاضر کی تذکرہ نگاروں نے صرف اس بناد پر کہ ۱۰۱۱ھ میں چونکہ حضرت امام ربانی کی عمر مبارک پوری چالیس سال کی ہو رہی ہے اس لئے اسی سال کو اپنی طرف سے تجدید و قیومیت کا جلیل القدر منصب عطا ہونے کا سال قرار دے دیا، حالانکہ اس کے ثبوت اور تائید میں ان کے پاس کسی بھی قدیم مورخ کا کوئی قول اور کوئی واقعہ نہیں اور کوئی شہادت نہیں۔ جبکہ روضۃ القیومیہ میں دو عبارتیں ملتی ہیں ایک عبارت سے ۱۰۱۰ھ پتہ چلتا ہے اور دوسری عبارت سے ۱۰۱۴ھ پتہ چلتا ہے۔ ایک مقام پر لکھا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تجدید الف ثانی کی خلعت کا

نزول جمعہ دسویں ماہ ربیع الاول ۱۰۱۰ ہجری کو ہوا۔ (روضۃ القیومیہ ص ۱۷۰)

جبکہ آگے چل کر ایک واقعہ کا ذکر کر کے اس کا سن بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ سوموار کے روز ۱۵ شعبان ۱۰۱۵ھ کو تجدید و قیومیت کے دوسرے سال عصر و مغرب کے درمیان ظہور میں آیا۔ (روضۃ القیومیہ ۱۹۴)

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ تجدید الف ثانی اور قیومیت کا سال ۱۰۱۴ھ ہے۔ اب بجائے اس کے کہ اپنی طرف سے ایک نیا سنہ نکالا جائے انہی دو سنوں میں سے کسی ایک سن کو قرائن کی بنیاد پر ترجیح دے دی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ لہذا فقیر کی نظر مین ۱۰۱۴ھ کو 'تجدید الف ثانی" اور قیومیت کا سال قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ ۱۰۱۰ھ میں حضرت امام ربانی کی عمر مبارک ۳۹ سال بن رہی ہے۔ جبکہ ۱۰۱۴ھ میں آپ کی عمر شریف ۴۳ سال بن رہی ہے۔ جبکہ زاد المعاد کی ایک روایت کی رو سے تمام انبیائے کرام کو ۳۹ سال کے بعد ہی نبوت عطاء فرمائی گئی کیونکہ اس کے بعد کمال عقل کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ (زاد المعاد ج ۱، ص ۳۷) لہذا اس ولئی کامل کو تجدید اور قیومیت کی خلعت عطاء کرنے کے لئے بھی ۳۹ سال کے بعد کی ہی عمر کا تعین زیادہ مناسب اور موزوں رہیگا۔

قیومیت : قیوم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس لحاظ سے "قیومیت" اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہوئی، چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے " اللّٰہُ لا الٰہ الاھو الحی القیوم" "قیوم" کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں لیکن تمام اقوال کا خلاصہ اور نچوڑ بیان کرتے ہوئے اور قیوم کے لفظ کی ایک جامع تعریف کرتے ہوئے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " قلت مرجع الاقوال انه دائم الوجود القائم بنفسه و قیم الاشیاء کلها لا یتصور قیام شی و بقائه الا به فمقتضی هذا الا سم ان ماسواه یحتاج الیه فی بقائه کما یحتاج الیه فی وجوده.
(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۵۷)

ترجمہ : میں کہتا ہوں کہ تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور خود بخود قائم ہے اور تمام اشیاء کا قائم رکھنے والا ہے، اس کے بغیر کسی بھی چیز کے قیام اور بقاء کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس نام کا مقتضی یہ ہے کہ اس کے ماسواء ہر چیز اپنے وجود اور بقاء میں اس کی محتاج ہے۔

قیومیت نبی کریم : اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مظہر اتم بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انا مراۃ جمال الحق" (تفسیر شیخ اکبر) کہ میں حق تعالیٰ کے جمال کا آئینہ ہوں) اس لئے اس نے اپنے اوصاف و کمالات سے اپنے محبوب کو بھی متصف فرمایا، چنانچہ وہ خود رؤف ہے اس نے اپنے محبوب کو بھی رؤف بنایا وہ خود رحیم ہے اس نے اپنے محبوب کو بھی رحیم بنایا وہ خود اول و آخر، ظاہر و باطن اور سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے اور اس نے اپنے محبوب کی شان کے لحاظ سے ان کو بھی ان صفات سے متصف فرمایا۔ چنانچہ قرآن کی آیات اس پر شاہد ہیں۔ اسی طرح وہ قیوم ہے اس نے اپنے محبوب کی شان کے لحاظ سے ان کو اس صفت سے بھی متصف فرمایا چنانچہ اس پر بھی متعدد قرآن کی آیات اور احادیث شاہد ہیں۔ چند پیش کی جاتی ہیں

(۱) **وَمَا ارسلناك الا رحمة للعالمين :** اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے محبوب کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ وہ ساری کائنات کے لئے کس طرح رحمت ہیں؟ علامہ محمود آلوسیؒ اپنے عارفانہ انداز میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "و كونه صلى الله عليه وسلم رحمة للجميع باعتبار انه عليه الصلوٰة والسلام واسطة الفيض الالهى على الممكنات على حسب القوابل" (تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۹۶) آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سوا ہر چیز کے لئے اس طرح رحمت ہیں کہ ممکنات کو جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ سے فیض ملتا ہے وہ سب حضور کے واسطہ سے ملتا ہے۔ بلکہ مفتاح السعادۃ کے حوالے سے شیخ ابن قیم کا یہ قول آپ نقل فرماتے ہیں کہ فلاقيام للعالم الا بآثار النبوة کہ سارے جہاں کا قیام آثار نبوت کے باعث ہے۔ تو گویا اب رحمۃ للعالمین کے معنی یہ بنے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو ہر فیض حضور کے ذریعہ مل رہا ہے۔ یعنی کائنات کی ہر چیز اپنے وجود اور بقا میں ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے۔ یہی معنی ہیں قیوم کے جو اوپر مذکور ہوئے۔ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت سے اپنے محبوب کو بھی سرفراز فرمایا ہے۔

(۲) ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفت قیومیت کی جلوہ گری کا ثبوت احادیث مبارکہ سے

بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اس پر یہ حدیث مبارکہ شاہد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "انما انا قاسم واللہ یعطی (بخاری ج ۱ ص ۱۶۔ ۴۳۹/ مسلم ج ۲ ص ۳۳۳/ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲)

یعنی جس کو جو کچھ خدا عطاء فرماتا ہے اسے تقسیم میں کرتا ہوں۔ بعض لوگ "انما انا قاسم" (میں تقسیم کرتا ہوں) کی عمومیت کے قائل نہیں لیکن ذرا کنزالعمال شریف کی یہ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے جو انما انا قاسم کی عمومیت پر نص صریح ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر لکھدیا ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ به آخذ واعطی" (کنزلعمال ج ۱۳ ص ۱۶۱) ترجمہ: اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں میں انہی کے واسطہ سے لیتا ہوں اور انہی کے واسطہ اور وسیلہ سے دیتا ہوں۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کو جو کچھ جب بھی، جسوقت اور جتنا عطاء فرماتا ہے وہ اپنے محبوب کے واسطہ اور وسیلہ سے آپ کے دست انور سے عطاء فرماتا ہے۔ انہی احادیث کے پیش نظر بڑے بڑے اولیاء کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ کائنات میں جس کو جو نعمت اور جو فیض بھی خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی روحانی ہو یا جسمانی وجود کا ہو یا بقاء کا ہر فیض الہٰی حضور کے ذریعہ ملتا ہے حضور کے وسیلہ کے بغیر کسی کو کچھ نہیں مل سکتا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں علامہ قسطلانی کی مواهب اللدنیہ وزرقانی ج ۱۔ ص/ ۲۸/ ۲۹/ جواہر البحار ج ۱ ص ۱۱۳/ ۱۱۴/ ج ۲ ص ۳ ۔۴/ ۱۹۷/ ۱۹۸/ ۳۹۰، ج ۳ ص ۲۴) پر محدث عبدالرؤف مناوی، علامہ فاسیؒ صاحب تفسیر جمل علامہ سلیمان، صاحب تفسیر صادی علامہ شیخ احمد کے اقوال اور عبارات، اور قصیدہ اطیب النغم ۲۲ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد اور الصارم المسلول ص ۴۱ پر شیخ ابن تیمیہ کا قول اور زاد المعاد ج ۱ ص ۳۷ ۳ پر حافظ ابن قیم کا قول، اور مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۱۴ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات۔

بہر حال ان احادیث مبارکہ اور اقوال علماء اور صوفیاء سے ثابت ہو گیا کہ کائنات کی ہر شے ہر نعمت کے حصول حتیٰ کہ نعمت وجود وبقاء میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاج ہے۔ اسی کو قیوم کہتے ہیں کہ ہر ایک کا وجود اور بقاء آپ کی ذات سے وابستہ ہے۔

(۳) حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لو لاك لما خلقت الا فلاك" اے محبوب اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۸۳۹/ خصائص کبری ج ۲ ص ۱۹۳

ازرقانی ج ۱، ص ۴۴) دوسری حدیث قدسی ہے۔ "لو لاك لما اظهرت الربوبية" اے محبوب اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت ہی ظاہر نہ کرتا۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۲۳۲، جواہر البحار ج ۲ ص ۱۰) ان احادیث سے بھی حضور کی ذات اقدس میں صفت قیومیت کی جلوہ گری نظر آرہی ہے کہ کائنات میں جس کو جو وجود مل رہا ہے اور رب کائنات جس کی بھی تربیت فرما رہا ہے وہ اپنے محبوب کے صدقے میں کر رہا ہے، ثابت ہوا کہ ہر شئی کا وجود اور بقاء ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہین منت ہے اور یہی معنیٰ قیوم کے ہیں۔

قیومیت اولیائے کرام :

اولیائے کرام اور بزرگان دین جب اتباع مصطفےٰ کرتے کرتے مظہر حق بن جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے اوصاف و کمالات آئینہ مصطفےٰ سے منعکس ہو کر ان کی ذات میں بھی جگمگانے لگتے ہیں جہاں اپنے دیگر اوصاف سے اللہ تعالیٰ ان کو متصف فرماتا ہے وہاں ان کی استعداد اور شان کے لائق صفت قیومیت سے بھی ان کو سرفراز فرمادیتا ہے چنانچہ اس پر بھی بہت سی احادیث شاہد ہیں جن میں سے چند تحریر کی جاتی ہیں۔

(۱) مشہور حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها آلخ (صحیح بخاری ۲ ص ۹۶۳) کہ جب میرا بندہ نوافل عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرلیتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں پھر میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو جسمانیت سے پاک ہے پھر بندہ کے کان آنکھ ہاتھ بن جانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی شرح کرتے ہوئے امام رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا نور بندہ کامل کی آنکھوں کانوں اور ہاتھوں میں پہنچتا ہے تو پھر وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سنتا اور دور و نزدیک دیکھ لیا کرتا ہے اور قریب و بعید ہر مشکل اور آسان کام میں وہ تصرف کرنے لگتا ہے (تفسیر کبیر ج ۱۵/۷ ۴۶) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اولیائے کرام کے اسی مقام کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے اور "سخر لکم مافی السمٰوٰت ومافی الارض" کی شان ظاہر ہوتی ہے اور وہ صاحب اختیار ہو جاتا ہے (ضیاء القلوب ص ۴۴، ۴۵، کلیات امدادیہ ص ۲۹، ۳۰)

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب بندہ مومن نوافل عبادات کے ذریعہ اپنے رب کا محبوب بن جا تا ہے تو پھر اس کا نور یعنی اس کی صفات اس بندہ کے اعضاء میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں پھر وہ اس کی صفت سماعت سے سنتا ہے اس کی صفت بصارت سے دیکھتا ہے اس کی صفت تکلم سے کلام کرتا ہے اس کی صفت قیومیت سے نظام عالم کے قیام اور اس میں تدبیر و تصرف کا باعث بنتا ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے " ھل تنصرون و تر ز قون الاَّ بضعفا ئکم " (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحین) کہ ضعیفوں اور بزرگوں کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں روزی دی جاتی ہے۔ جبکہ نسائی شریف میں حدیث کے یہ الفاظ ہیں "انما نصر اللہ ھٰذہ الامة بضعفتھم بدعواتھم و اخلا صھم " کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے ضعیفوں اور ان کی دعاؤں اور نمازوں اور اخلاص کی وجہ سے اس امت کی مدد کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس امت کے بزرگان دین اولیائے کرام اور عابد و پارسا اللہ کی صفت قیومیت کے مظہر ہیں ان کی وجہ سے نظام عالم قائم ودائم اور جاری وساری ہے۔

(۳) طبرانی میں حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ " الآبدال فی امتی ثلثون بھم تقوم الا رض و بھم تمطرون و تنصرون (طبرانی) کہ میری امت مین تیس ابدال ہیں کہ انہی کی وجہ سے زمین قائم ہے، انہی کی وجہ سے بارشیں برسائی جاتی ہیں اور انہی کی وجہ سے تمہاری مدد یں کی جاتی ہیں۔ اس حدیث مبارک سے بھی اولیائے کرام کا اللہ تعالیٰ کی صفت قیومیت کے ساتھ متصف ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ جس کے دم سے زمین قائم ہو اس کا قیام اس کی بقاء اور اس کی رونقیں جس کی رہین منت ہوں وہ "قیوم" نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا۔

انہی مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں اور اپنے مکاشفات اور مشاہدات کے پیش نظر تمام اکابرین امت، اولیائے کرام کی اس شان قیومیت کو تسلیم کرتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ کوئی اس مقام اور مرتبہ کو غوث کا نام دیتا ہے کوئی قطب کا دیتا ہے کوئی مشکل کشا کا نام دیتا ہے، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اسکو قطب الا قطاب کا نام دیتے ہیں جبکہ حضرت امام ربانی اس کو قیوم کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب غوث کا مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "بغیر

غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے" (ملفوظات اعلحضرت) ایک اور مقام پر اولیائے کرام کے اس
مرتبہ اور مقام قیومیت کو آپ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"بشہادت خدا اور سول جل و علیٰ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رزق پانا مدد ملنا، مینہ برسنا، بلا دور ہونا، دشمنوں کی مغلوبی، عذاب کی موقوفی، یہاں تک کہ زمین کا قیام، زمین کی نگہبانی، خلق کی موت، خلق کی زندگانی، دین کی عزت، امت کی پناہ، بندوں کی حاجت روائی، راحت رسانی، سب اولیا کے وسیلہ اولیاء کی برکت اولیاء کے ہاتھوں اولیاء کی وساطت سے ہے" (الامن والعلیٰ ص ۳۶ مطبوعہ بریلی)

حضرت امام ربانی آیۂ مبارکہ "انا عرضنا الامانة علےٰ السمٰوٰت الآیة" کی تفسیر فرماتے ہوئے اس
مقام قیومیت کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

"اور وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو کہ انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے یعنی کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ بحکم خلافت اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو وجود و بقا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کے فیوضات اس کے واسطہ سے پہنچاتے ہیں اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی سے متوسل ہے اور اگر جن وانس ہیں تو وہ بھی اسی کا وسیلہ پکڑتے ہیں الغرض حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے۔ اس دولت کے سردار ابوالبشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ بلند منصب اصل میں تو انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان بزرگوں کی تبعیت اور وراثت میں جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف کر دیں" (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم، مکتوب ۴۷)

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ہم پر کرم کوئی آج نہیں ہے اس نے ہماری مشت خاک کو زمین

سے اٹھایا اور اپنا خلیفہ بنایا اور اپنی نیابت میں ہر چیز کا قیوم گردانا" (مکتوبات امام ربانی ،دفتر سوم حصہ دوم مکتوب ۹۵)

اس سے معلوم ہو کہ حضرت امام ربانی کی نظر میں اس مقام قیومیت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور دیگر اولوالعزم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی سر فراز فرمایا اور ان کے توسط سے اولیائے کرام کو بھی نوازا۔ آپ کے صاجزادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس مقام قیومیت کی عظمت اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قیوم اس عالم میں خدا جل وعلا کا خلیفہ اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے اقطاب وابدال اسکے ظلال کے دائرہ میں مندرج ہیں اور اقطاب واوتاد محیط میں داخل ہیں۔ عالم کے سب افراد اس کی طرف متوجہ ہیں وہ جہاں والوں کی توجہ کا قبلہ ہے خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں بلکہ جہاں والوں کا قیام اس کی ذات سے ہے اس لئے کہ عالم کے افراد چونکہ اسماء وصفات کے مظاہر ہیں کوئی ذات ان کے درمیان نہیں پائی جاتی وہ سب کے اعراض واوصاف ہیں اور اعراض اوصاف کے لئے ذات اور جوہر کا ہونا ضروری ہے تاکہ انکا قیام اس کے ساتھ ہو اللہ تعالیٰ کی عادت اس طرح سے جاری ہے کہ عرصہ دراز کے بعد ایک عارف کو ذات سے ایک حصہ عطاء کیا جاتا ہے اور اس کو ایک ذات دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ نیابت اور خلافت کے ظہور پر اشیاء کا قیوم ہو جائے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوں۔ (مکتوبات معصومیہ ،ج اول مکتوب ۸۶)

قیومیت امام ربانی : اپنا یہ وصف خاص جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص رسولوں کو عطاء فرمایا بالخصوص اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جس سے نوازا ان کے اتباع کی بدولت ان کی امت کے ایک ولئی کامل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی اس سے سر فراز فرمایا۔ چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی اور خواجہ بدرالدین سرہندی مکتوبات شریف کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آپ کو قیومیت کی نسبت سے بھی مشرف کیا گیا (زبدۃ المقامات ص ۲۷۳، حضرت القدس ص ۸۵۲) خود حضرت امام ربانی اپنی تصیف لطیف مبداء ومعاد میں اس کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔

"ان بزرگ (خواجہ باقی باللہ) کی توجہ کی برکت سے حضرات خواجگان (نقشبند) کا وہ جذبہ جو صفت قیومت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا" (مبداء و معاد، مطبوعہ امرتسر ص ۳)

حضرت خواجہ محمد احسان سرھندی مجددی آپ کے منصب قیومت پر فائز ہونے کا واقعہ کچھ اس طرح سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام ربانی نماز ظہر کے بعد مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے ایک حافظ صاحب آپ کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے کہ اسی دوران مراقبہ میں آپ نے اپنے جسم پر ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نورانی خلعت دیکھی اسی وقت آپ پر الہام ہوا کہ یہ تمام ممکنات کی قیومت کی خلعت ہے جو اللہ تعالیٰ اولوالعزم پیغمبروں کو عطاء فرماتا ہے مگر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور متبع ہونے کی بدولت آپ کو بھی یہ خلعت عطاء کی گئی ہے اور آج سے تمام مخلوقات کا قیام آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی مشاہدہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اپنے دست مبارکہ سے آپکے سر پر دستار مبارک باندھی اور آپ کو منصب قیومیت کی مبارک باد دی۔ جس مبارک دن آپ کو یہ خلعت قیومیت عطاء ہوئی وہ پیر کا دن تھا اور رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ تھی اور سن وہ ہی ہے جو خلعت تجدید الف ثانی کا ہے جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

تسامح: اس مقام پر بعض علمائے کرام سے تسامح ہو گیا اور انہوں نے لفظ "قیوم کے غیر اللہ پر اطلاق کی مطلقاً ممانعت کو ثابت کرتے ہوئے اپنے مشہور فتاوی میں تحریر کر دیا کہ، "یوں ہی فقہائے کرام نے قیوم جہاں غیر خدا کو کہنے پر تکفیر فرمائی" چونکہ حضرت امام ربانی نے "قیوم" کا اطلاق غیر اللہ پر کیا تھا اس لئے اس فتوے کی رو سے جب امام ربانی بھی کافر قرار پاتے نظر آئے تو بعد میں آنے والے حضرات نے اس فتوے کی اپنی طرف سے تاویلیں شروع کر دیں اور کہا کہ ایک مرید نے نظم میں اپنے پیر کے لئے قیوم کا لفظ اسی معنی میں استعمال کیا تھا جس معنی میں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے ان مفتی صاحب نے خاص انکے لئے اس کے اطلاق کو کفر کہا، حالانکہ اول تو اس فتوے کے سوال میں کہیں اس کی کوئی صراحت اور اشارہ نہیں کہ اس مرید نے قیوم کا لفظ اپنے پیر کیلئے اس معنی میں استعمال کیا تھا جس معنی میں یہ خدا کیلئے ہوتا ہے اور نہ ہی مفتی صاحب نے اپنے جواب میں اس کا کہیں ذکر

فرمایا۔بلکہ وہ تو نظم میں بیان کیے گئے الفاظ کا علیحدہ علیحدہ حکم بیان کرتے ہوئے اس لفظ قیوم کو خواہ کسی معنی میں لیا جائے وہ مطلقااس کے غیر اللہ پر اطلاق کو کفر فرما رہے ہیں۔اور اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لئے ان حضرات کی یہ دوراز حقیقت تاویل تسلیم بھی کرلی جائے تو اسی فتاویٰ کی اسی جلد میں چندرق آگے ایک سوال کے جواب میں یہی مفتی صاحب "قیوم کے بارے میں اپناوہ ہی سابقہ فتویٰ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "حالانکہ ائمہ فرماتے ہیں کہ غیر خدا کو قیوم کہنا کفر ہے۔"

یہاں تو کسی پیر کا ذکر ہے نہ کسی مرید کا مطلقا قیوم کا لفظ غیر خدا کے لئے استعمال کرنے کو کفر کہا جارہا ہے۔بلکہ ستم یہ ہے کہ ملا علی قاری کی جس عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ "قیوم کے دوسرے معنی لیکراس کا اطلاق غیر اللہ پر کرنا جائز ہے اس عبارت کو بھی الحاقی عبارت قرار دے کر لفظ قیوم کے غیر اللہ پر اطلاق کے جواز کے تمام دروازے بند کیے جارہے ہیں اور اس لفظ کے غیر اللہ پر ہر قسم کے اطلاق کو کفر ثابت کیا جارہا ہے۔

لہٰذا جن حضرات نے ان مفتی صاحب کے پہلے فتوے کی جو تاویل پیش کی تھی انہی مفتی صاحب کے دوسرے فتوے کی رو سے وہ تاویل غلط ثابت ہو گئی۔اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان مفتی صاحب کے نزدیک غیر اللہ پر قیوم کا کسی بھی معنی میں اطلاق کرنا کفر ہے۔اس فتوے کی بناء پر بعد میں آنے والے ان کے متبعین نے بھی اسی قسم کے فتوے جاری کر دیئے کہ غیر اللہ پر اس کا اطلاق کفر ہے۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ان مفتیان کرام سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے ان فتووں کو تسامح پر محمول کیا جائے جن سے امام ربانی مجدد الف ثانی جیسے مقرب بارگاہ الٰہی بھی کافر قرار پارہے ہوں۔

جہاں تک اس لفظ قیوم کے غیر اللہ پر اطلاق کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو اس پر علمائے کرام کی تصریحات موجود ہیں کہ اگر اس کے وہ معنی جو اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہیں وہ لیکر اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی تو بیشک یہ کفر ہے۔لیکن اگر اس کے لغوی معنی لیکر نسبت غیر اللہ کی طرف کر دی گئی تو یہ جائز ہے کوئی کفر لازم نہیں آتا۔چنانچہ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں صراحت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَمن قال لمخلوق یا قدوس او القیوم او الرحمن او قال اسماً من

اسمآء الخالق کفر انتھی وھو یفید انه من قال یا عزیز و نحوہ یکفر ایضاً الا ان اراد بھما المعنی اللغوی لا الخصوص الاسمی والا حوط ان یقول یا عبدالعزیز و یا عبدالرحمٰن (شرح الفقہ الاکبر، ملا علی قاری ۱۹۳)

ترجمہ : جس نے مخلوق کے لئے کہایا قدوس یا قیوم یار حمٰن یا خالق کے ناموں میں سے کوئی اور نام مخلوق کے لئے کہا تو وہ کافر ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مخلوق کو یا عزیز وغیرہ کہے گا تو وہ بھی کافر ہو جائیگا، ہاں البتہ اگر اس نے ان اسماء کے لغوی معنی مراد لیکر غیر اللہ پر اس کا اطلاق کیا اور اللہ کے نام کے جو خصوصی معنی ہیں وہ مراد نہیں لئے تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہو گا۔ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ یا عبدالعزیز اور یا عبدالرحمٰن کہا جائے۔

اسی سے بالکل متصل علامہ علی قاری ایک اور مسئلہ بیان فرما رہے ہیں جس سے اس قیوم والے مسئلہ کی مزید وضاحت ہو رہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

وَاَما ما اشتھر من التسمیة بعبدالنبی فظاھر کفر الاان اراد بالعبد المملوك (شرح الفقہ الاکبر، ملا علی قاری، ۱۹۳)

ترجمہ : مشہور یہ ہے کہ "عبدالنبی" نام رکھنا بظاہر کفر ہے لیکن اگر "عبد" سے مراد مملوک ہے تو پھر کفر نہیں

تعجب ہے جن مفتی صاحب نے "قیوم" کے غیر اللہ پر اطلاق کو مطلقاً کفر جانا ہے وہ عبد کے بارے میں ملا علی قاری کے اس کفر کے قول کو نظر انداز کر رہے ہیں اور عبد کے لغوی معنی مملوک لیکر علی قاری کی اجازت پر عمل کرتے ہوئے اپنا تخلص عبدالمصطفیٰ رکھتے ہیں لیکن جب قیوم کے لغوی معنی لیتے ہوئے غیر اللہ پر اس کے اطلاق کے جواز کا ملا علی قاری قول کرتے ہیں تو وہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بلکہ دوسرے مقام پر ملا علی قاری کے ہی ایک دوسرے جواز کے قول کو وہ الحاقی قرار دے دیتے ہیں اور اس کے جواز کی کوئی صورت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ جس دوسرے مقام پر اسی شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے اس کے جواز پر جو تفصیلی بحث فرمائی ہے اس پر اگر نگاہ ڈال لی جائے تو مسئلہ اس قدر واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ اس میں پھر کسی شک اور تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور

نہ ملا علی قاری کی عبارت کو الحاقی قرار دینے کی ضرورت رہتی ہے۔

وهذا الكلام يقال لكل من نفى صفته من صفات الله لامتناع مسمى ذالك فى المخلوق فانه لا بدان يثبت شياء لِللّٰهِ علے خلاف ما يعهده حتى فى صفة الوجود فان وجود العبد كما يليق به ووجود البارى كما يليق به فوجوده تعالىٰ يستحل عليه العدم ووجود المخلوق لا يستحيل عليه العدم فماسمى به الرب نفسه و سمى به مخلوقاته مثل الحى والقيوم والعليم والقدير او سمى به بعض صفات عباده فنحن نعقل بقلوبنا معانى هذالاسماء فى حق الله وانه حق ثابت موجود و نعقل ايضاً معانى هذه الاسماء فى حق المخلوق و نعقل بين المعنيين قدراً مشتركا لكن هذا المعنى لايو جد فى الخارج الا معينا مختصا فيثبت فى كل منهما كما يليق به(شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری ص ۳۹)

آپ کے ارشاد مبارک کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض صفات مخلوق کی ہیں جیسے غضب حیا وغیرہ لیکن ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیا گیا ہے جبکہ بعض صفات رب کی ہیں جیسے حی، قیوم، علیم، قدیر لیکن ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ مخلوق کو متصف کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صفات جب خالق کے لئے بولی جاتی ہیں تو اس کے معنی کچھ اور ہوتے ہیں جو اس کی ذات کے لائق ہوتے ہیں اور یہی صفات جب مخلوق کے لئے بولی جاتی ہیں تو اس کے معنی کچھ اور ہوتے ہیں جو ان بندوں کے لائق ہوتے ہیں حتی کے لفظ موجود دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور صفت وجود کیساتھ دونوں کو متصف کیا جاتا ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ موجود ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس پر عدم کا آنا ممکن نہیں جبکہ مخلوق کے لئے جب کہا جاتا ہے کہ وہ موجود ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس پر عدم طاری ہو سکتا ہے پتہ یہ چلا کہ خالق اور مخلوق دونوں کے لئے لفظ تو ایک مشترک بولا جاتا ہے لیکن ان دونوں کے لئے ان کے لائق علیحدہ علیحدہ معنی مراد لئے جاتے ہیں۔

حضرت ملا علی قاری کی اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ اگر قیوم کے وہ معنی مراد لیکر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں پھر ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جائے تو یہ بیشک کفر ہے لیکن اگر اس کے ایسے

معنی مراد لئے جائیں جو مخلوق کے لائق ہوں اور پھر ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جائے تو یہ کفر نہیں بلکہ ان کا اطلاق مخلوق پر اسی طرح جائز ہے جیسے موجود سمیع بصیر علیم اور قدیر وغیرہ جو سب اللہ کی صفات ہیں لیکن ان کا اطلاق مخلوق پر کیا جاتا ہے۔ اور ان پر کوئی کفر لازم نہیں آتا۔ اسی طرح یہاں بھی "قیوم" کے حقیقی معنی ہیں کہ جو خود ہمیشہ سے موجود ہو اور قائم بنفسہ ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہو۔ یہ معنی صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں اور اس کے لائق ہیں جبکہ اولیائے کرام کے لئے قیوم اس معنی کے لحاظ سے بولا جاتا ہے کہ ان کے سبب سے سارا نظام عالم قائم ہے اور وہ قیام عالم کا سبب اور وسیلہ ہیں، یہ معنی مخلوق کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے لائق ہیں اب اگر کوئی قیوم کے وہ معنی لے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے مخلوق پر اس کا اطلاق کریگا تو وہ یقیناً کافر ہو جائیگا لیکن جو مخلوق والے معنی کے لحاظ سے مخلوق پر اس کا اطلاق کریگا تو اس میں کوئی کفر لازم نہیں آئیگا۔ امام ربانی اور آپ کے خانوادہ نے قیوم کا اطلاق جو مخلوق پر کیا ہے وہ مخلوق والے معنی کے لحاظ سے کیا ہے جیسا کہ مکتوبات شریف کے اقتباسات اوپر مذکورہ ہوئے ایسا کرنا کفر نہیں بلکہ جائز ہے۔

مفتی صاحب جن کا نظریہ یہ ہے کہ قیوم کا کسی معنی کے لحاظ سے بھی اطلاق غیر اللہ پر جائز نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات کے غیر اللہ پر اطلاق کو صرف ذاتی اور عطائی کے فرق سے جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایک اور کتاب میں تفصیل سے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلق کرنا، جلانا، مارنا، زندہ کرنا، رزق دینا، نعمتیں دینا، بیماروں کو شفا دینا، بلائیں دور کرنا، مشکل آسان کرنا، بیٹا دینا، موت دینا یہ سب اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں لیکن ان کی نسبت مخلوق کی طرف بھی کی گئی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ شرک اور کفر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان صفات کی نسبت ذاتی ہے جبکہ انہی صفات کی نسبت بندوں کی طرف عطائی ہے۔ یعنی اگر بندوں کی طرف ان صفات کی نسبت اس حیثیت سے دی گئی کہ اللہ کی عطا سے بندے جلاتے ہیں، مارتے ہیں، زندہ کرتے ہیں، موت دیتے ہیں، رزق اور نعمتیں دیتے ہیں، مشکل آسان کرتے ہیں، بیماروں کو شفاء دیتے ہیں تو یہ کہنا جائز ہے شرک اور کفر نہیں۔ اسی طرح ذاتی عطائی کے فرق سے اگر قیوم کی نسبت بھی مخلوق کی طرف دے دی جائے کہ اللہ کی عطاء سے اللہ کا ولی قیوم ہے یعنی دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے تو یہ بھی کفر اور شرک نہیں ہونا چاہیئے۔ لہذا اگر ملا علی قاری اس کے جواز کی کوئی صورت بیان کر رہے ہیں تو کوئی غلط یا متضاد بات بیان نہیں فرما رہے کہ اس کی

بناء پر ان کے جواز کے قول کو الحاقی قرار دیکر سرے سے اس قول کا ہی انکار کر دیا جائے اور اس قول کو جعلی قرار دے دیا جائے۔

حروف مقطعات کا علم : قرآن پاک کی بعض سورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات آتے ہیں ان کے متعلق مفسرین کرام کا کہنا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان اسرار و رموز ہیں جن کو ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ صاحب تفسیرات احمدیہ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نور الانور میں فرماتے ہیں " **فَانها سربين الله رسوله لا يعلمها احد غيره** (نور الانوار) علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں میں **لعلهم ارادو انها اسرار بين الله و رسوله و رموز لهم لم يقصد بها افهام غيره** . (تفسیر بیضاوی)

معلوم ہوا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان امتیازی کمالات میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص فرمایا۔ ان اسرار اور رموز کی شان یہ ہے

میان عاشق و معشوق رمز یست
کراماً کاتبین راہم خبر نیست

لیکن جو اللہ کے مقبول بندے اتباع کی بدولت " فنافی الرسول " کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں ان کو بھی قرآن کے بعض متشابہات اور بعض حروف مقطعات کا علم عطاء فرمادیا جاتا ہے۔ انہی میں سے ایک ذات حضرت امام ربانی کی بھی ہے جن پر یہ خصوصی کرم کیا گیا کہ حروف مقطعات کے اسرار اور رموز سے ان کو واقف کر دیا گیا چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

علم متشابہات صرف رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے (علیہم الصلوٰت والتسلیمات) مگر امت کی ایک بہت کم تعداد محض تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے بہرہ مند ہوئی ہے اور انپر اسی دنیا میں جمال متشابہات کا پردہ ہٹایا جاتا ہے۔ (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۳۰۱/۳۱۱)

ایک اور مکتوب گرامی میں تحدیث نعمت کے طور پر اس نعمت کے حصول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

یہ فقیر مدت تک قرآنی متشابہات کو حق تعالیٰ کے علم تک مخصوص سمجھتا رہا اور علمائے راسخین میں ان متشابہات پر ایمان رکھنے کے سوا اور کوئی حصہ نہیں دیکھتا تھا اور جو تاویلات کہ بعض صوفیاء نے کی ہیں ان کو متشابہات کی شان کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور ان تاویلات کو ایسے اسرار میں شمار نہیں کرتا تھا جو

پوشیدہ رکھے جانے کے لائق ہوں جیسا کہ عین القضاۃ نے الف لام میم سے "الم" مراد لیا جو درد کے معنی میں ہے اور لازمۂ محبت سے ہے۔ اور اسی طرح کی دیگر تاویلات ہیں آخر کار جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان متشابہات کی تاویلات میں سے ایک شمہ اس فقیر پر بھی ظاہر فرمایا اور اس بحر محیط کی ایک نہر اس مسکین کی زمین استعداد میں کشادہ فرمادی تو اس وقت معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو متشابہات اور مقطعات کی تاویلات میں وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔ (مکتوبات شریف، دفتر اول مکتوب ۲۷۶)

آپ کے خلفاء اور مخلصین نے آپ سے ان رموز کو عطاء کرنے کی استدعا کی لیکن آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے منتسبین میں سے صرف ایک شخص کو اس کا اہل پاتا ہوں آپ کا ارشاد اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھا چنانچہ آپ نے ان کو ان اسرار میں سے بعض سے سرفراز فرمایا۔ اس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہ محمد معصوم فرماتے ہیں کہ میں نے کئی بار حضرت امام ربانی سے عرض کیا کہ آپ پر حروف مقطعات کے جو رموز ظاہر ہوئے ہیں اس میں کوئی رمز ہمیں بھی عطا فرما دیجئے لیکن آپ نے فرمایا کہ شیطان ہمیشہ ان رازوں کی تلاش میں رہتا ہے کہ کہیں کسی کی زبان پر آئیں اور وہ سن کر فوراً اس کو فاش کردے اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ علم صرف "راسخین" کو عطاء فرماتا ہے جو اپنے رسوخ کی وجہ سے اس کو ہمیشہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم نے عرض کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطاء فرمائی ہے کہ شیطان کو اس موقعہ پر دفع کردیں اور ہمیں ان رازوں سے آشنا فرمادیں، چنانچہ جب حضرت خواجہ محمد معصوم کا اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے ان حروف مقطعات میں صرف حرف "ق" کا رمز ان پر ظاہر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ راز مجھ پر ظاہر کیا گیا اسوقت مجھے اپنے تن و من کا ہوش نہ رہا۔ (حضرات القدس جلد دوم ص ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰ / زبدۃ المقامات ۲۶۲/ ۲۶۳/ ۲۶۴۔ ۴۳۵ / روضۃ القیومیہ اول ص ۲۸۸)

کعبہ کا کعبہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ جس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اس رات میں خانہ کعبہ میں تھا وقت سحر کے قریب میں نے دیکھا کہ کعبہ نے مقام ابراہیم (یعنی جس طرف حضور کی ولادت ہو رہی تھی) کی سمت میں سجدہ کیا

اور تکبیر کہی۔ (سیرۃ الحلبیہ ص ۱۲۲/۱ شواہد النبوۃ ص ۲۵) معلوم ہوا کہ ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا بھی کعبہ ہے اسی لئے بیدم وارثی فرماتے ہیں :

ہم سب کا رخ سوئے کعبہ ، سوئے محمد روئے کعبہ
کعبہ کا کعبہ روئے محمد ، صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے اتباع مصطفےٰ کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شان امتیازی سے حضرت امام ربانی کو بھی سر فراز فرمایا۔ چنانچہ علامہ بدر الدین سرھندی فرماتے ہیں کہ آپ کا معمول یہ تھا کہ فجر کی نماز کے بعد آپ اپنے مخلصین کی طرف متوجہ ہو کر دعا فرماتے اور اس کے بعد مراقبہ میں مصروف ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن عرفہ کے دن فجر کی نماز کے بعد خلاف معمول آپ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو بیٹھے رہے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو گیا، جب آپ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ آج مجھے خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق ہوا تو میں نے دیکھا خود خانہ کعبہ میرے طواف کے لئے آگیا اور میرے ارد گرد گھومنے لگا۔ پھر آپ نے اہل کشف حضرات پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حیرت ہے اہل کشف حضرات اس واقعہ سے غافل رہے ورنہ وہ بھی اگر یہ دیکھ لیتے تو میرے گرد طواف کرنے لگتے۔ (حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۱۶)

خواب میں حقیقی دیدار : آنحضرت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "من رانی فی المنام فقدر آنی فان الشیطان لا یتمثل بی" (مجمع الزوائد / صحیح مسلم) کہ جس نے نیند میں مجھے دیکھا بیشک اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

اپنے نبی کے اتباع کی بدولت حضرت امام ربانی کو اس وصف خاص سے بھی حظ وافر حاصل تھا چنانچہ دنیا کے کونہ کونہ اور گوشہ گوشہ سے لوگ خواب مین آپ کی زیارت کر کے جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ بعینہ یہ وہ ہی شکل ہے جو ہم نے خواب میں دیکھی تھی۔ بلکہ جو کچھ واقعات اور حالات ہم نے خواب میں دیکھے تو مکمل ویسے کے ویسے یہاں ہم نے پائے ہیں۔ بلکہ بعض صلحاء اور علماء تو ایسے آئے جنھوں نے خواب میں آپ سے طریقہ ذکر و فکر سیکھا تو ان کا دل ذاکر ہو گیا اور جب پورے اشتیاق کیساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے آپ سے طریقہ ذکر سیکھا تو بعینہ اسی طرح پایا جیسا کہ خواب میں دیکھا تھا۔ (حضرات القدس دوم ص ۱۷۲)

نظافتِ بدن : اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے بدن پاک کو ایسی لطافت اور نظافت سے نوازا تھا کہ آپ کے بدن اور کپڑوں پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی (مواہب اللدنیہ وزرقانی ص ۵ ص ۲۴۹/کشف الغمہ ۲ ص ۱۵۱/شرح شفا لخفاجی والقاری ۲ ص ۱۰۳ تفسیر مدارک ج ۳ ص ۳۲۲) اتباع رسول کی بدولت اسی لطافت و نظافت سے حضرت امام ربانی بھی نوازے گئے کہ آپ کے بدن مبارک پر بھی کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور کیوں نہ ہو جو بدن خمیر مصطفیٰ کے بچے ہوئے حصہ سے بنا ہو اس پر مکھی کب بیٹھ سکتی ہے (حضرات القدس ص ۱۷۱)

رفعت ذکر : اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے ذکر کو بلند فرمایا اور قرآن پاک میں اس مژدہ جانفزا سے آپ کو یوں شادکام فرمایا۔ "ورفعنالك ذكرك" اے محبوب ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کے لئے بلند کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس متبع صادق امام ربانی کو بھی رفعت ذکر کے مژدہ جانفزاء سے سرفراز فرمایا گیا چنانچہ اس کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک روز آپ بیت الخلاء تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے غلاظت میں لتھڑا ہوا ایک پیالہ دیکھا جس پر اللہ کا نام کندہ کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ کا دل لرز گیا فوراً اس کو اٹھایا باہر آکر خود اس کو دھونے لگے مخلصین و مریدین نے عرض کیا حضور! ہم دھو لیتے ہیں فرمایا نہیں اس کو میں خود اپنے ہاتھوں سے دھوؤں گا چنانچہ خود دھو کر صاف کر کے ایک سفید صاف شفاف کپڑے میں لپیٹ کر پوری تعظیم کے ساتھ ایک اونچی طاق میں اس کو رکھدیا اور جب آپ کو پانی پینے کی حاجت ہوتی تو آپ اسی ٹوٹے ہوئے پیالے میں پانی نوش فرماتے اس ادب کو دیکھ کر رب کی رحمت جوش میں آئی اور غیب سے آواز آئی تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی اس کو بلند کیا جاؤ ہم نے تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں بلند کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں سو سال بھی ریاضت اور مجاہدے کرتا تو وہ فیوض و برکات حاصل نہ کر پاتا جو مجھے اس عمل سے حاصل ہو گئے۔ (حضرات القدس ۲ ص ۱۱۳)

یہ اسی رفعت ذکر کا اثر تھا کہ شروع سے ہی آپ کا شہرہ دور دراز علاقوں تک پھیل گیا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر آپ سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے چنانچہ آپکے بھائی شیخ مودود جو دنیاوی

کاموں میں زیادہ منہمک ہو کر آپ کی محفلوں میں نہیں آیا کرتے تھے ان کو ایک مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

> "اے بھائی! لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ دور دور سے چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح یہاں آ رہے ہیں اور تم اپنے گھر کی دولت کی قدر و قیمت نہ جانتے ہوئے اس کمینی دنیا کی طلب میں ذوق و شوق کیساتھ دوڑ رہے ہو" (زبدۃ المقامات ص ۱۸۷ حوالہ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۲۶ / دوم مکتوب ۱۰)

یہ تو ابتداء میں آپ کے رفعت ذکر کی کیفیت تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اعیان سلطنت اور شہنشاہان وقت کے سر آپ کے اور آپ کی اولاد امجاد کے آستانوں پر جھکا کر آپ کی عظمت کے ڈنکے سارے جہان میں بجوا دیئے۔ آج فرش زمیں سے لیکر عرش بریں تک ہر جگہ آپ کا چرچا اور تذکرہ ہے۔

رب کی طرف سے جواب: انبیاء سابقین میں سے جب بھی کسی نبی پر ان کی امت نے کوئی اعتراض کیا تو انہوں نے خود اس کا جواب دیا اور خود اپنا دفاع کیا۔ لیکن امام الانبیاء سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ جب آپ پر کفار نے اعتراض کئے تو آپ خاموش رہے لیکن رب نے آپ کی طرف سے ان کو جواب دیئے۔ دیکھئے حضرت نوح علیہ السلام پر جب ان کی امت نے یہ اعتراض کیا کہ "انا لنراك فی ضلال مبین" کہ ہم تو آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں تو اس کا جواب آپ نے خود دیتے ہوئے فرمایا "یا قوم لیس بی ضلالة ولکنی رسول من رب العالمین" اے میری قوم گمراہی تو میرے قریب سے بھی نہیں گزری میں تو اللہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب فرعون نے کہا "اِنی لاظنك یا موسیٰ مسحورا" اے موسیٰ میرا خیال ہے کہ تم سحر زدہ ہو۔ تو اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے خود فرمایا "اِنی لاظنك یا فرعون مثبورا" اے فرعون میرا خیال ہے تو ہلاک ہے۔ لیکن جب کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے ہوئے کہا "یا ایها الذی نزل علیه الذکر انك لمجنون" اے وہ ذات جس پر کتاب نازل کی گئی ہے ہمارے سامنے یقیناً تو مجنون ہے۔ رب نے اپنے محبوب کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا "نٓ و القلم وما یسطرون ما انت بنعمة ربك بمجنون" قسم ہے قلم کی اور اس

کی جو وہ لکھتا ہے آپ اپنے رب کی نعمت کی بدولت مجنون نہیں۔ کافروں نے آپ کے لئے کہا" قل ھو شاعر نتربص بہ ریب المنون "بلکہ وہ تو شاعر ہیں ہم ان پر گردش دوراں کے منتظر ہیں۔ کفار کے اس اعتراض کا بھی اپنی طرف سے جواب دیتے ہوئے رب کائنات نے قرآن میں فرمایا" وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ" ہم نے انہیں شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے لائق ہے۔

اسی شانِ امتیازی سے اللہ تعالیٰ نے اتباع کی بدولت حضرت امام ربانی کو بھی سرفراز فرمایا کہ آپ کے بد خواہوں کے اعتراضات اور ان کی ایذاء رسانیوں کا بغیر آپ کے کہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے جواب عطاء فرمایا۔ چنانچہ اس پر یہ دو واقعات شاہد ہیں۔

(۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ایک عالم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس مجلس میں حضرت امام ربانی کا ذکر آ گیا۔ ان عالم صاحب نے حضرت امام ربانی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا آپ فرماتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ میں نے امام ربانی کے بارے میں بڑے بڑے مشائخ سے اچھا تذکرہ سنا ہے اور خود بھی ان کی صحبت میں بیٹھا ہوں میری رائے یہ ہے کہ جو صفائی قلب اور جو اتباع سنت نبوی ان کے یہاں ہے ایسی کہیں نظر نہیں آتی۔ لیکن وہ عالم صاحب نہیں مانے اور کچھ دیر کے بعد پھر حضرت امام ربانی پر زبان طعن دراز کرنے لگے آخر کار میں نے ان سے کہا کہ چلو امام ربانی کے بارے میں قرآن پاک سے فیصلہ کراتے ہیں، دونوں تازہ وضو کر کے آتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھ کے قرآن کھولتے ہیں۔ جو پہلی آیت سامنے آئے اسے ہم امام ربانی کے متعلق قرآنی فیصلہ تصور کرینگے۔ اس عالم صاحب نے" میری یہ بات تسلیم کر لی اور ہم دونوں نے وضو کر کے نماز پڑھ کے قرآن ہاتھ میں لیکر جب اسے کھولا تو اس میں پہلے صفحہ پر یہ آیت نظر آئی" رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" (سورۃ النور آیت ۳۷) ترجمہ: مرد وہ ہیں جنہیں کوئی تجارت اور کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ یہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کی عظمت کو آشکار فرمایا اس کو دیکھ کر وہ عالم سکتہ میں رہ گئے اور اپنے فعل پر پشیمان ہوئے اور میں نے اپنی رائے کی اصابت پر اللہ کا شکر ادا کیا بلکہ آپ کی اس کرامت کو دیکھ کر آپ کے ساتھ میرا اخلاص اور مزید بڑھ گیا۔ (حضرات القدس ۲ ص ۱۸۶/ زبدۃ المقامات ص ۳۵۶)

(۲) ایک روز آپ کے ایک عزیز کے پڑوس میں چوری ہو گئی اور تاجر کا کچھ مال چوری ہو گیا اس

تاجر نے آپ کے عزیز پر چوری کی تہمت لگا کر تھانہ میں رپورٹ درج کرادی آپ کا وہ عزیز پولیس کے تشدد کے خوف سے ڈر کر کہیں بھاگ گیا شہر کے کوتوال نے اس عزیز کے بدلہ میں آپ کو طلب کر لیا اور آپ کو تھانہ بلا کر آپ سے سخت انداز سے بات کی، اسی دوران ملا طاہر بدخشی کا وہاں سے گزر ہوا آپ کو تھانہ میں دیکھ کر انہوں نے کوتوال شہر کو بڑا برا بھلا کہا اور اس سے کہا کہ تو جانتا نہیں تو نے کس ذات کو یہاں بلایا ہے۔ اس نے فوراً آپ کو رخصت کر دیا، آپ نے زبان سے اس کوتوال کے لئے کچھ نہیں کہا بلکہ طاہر بدخشی جو اس کو برا بھلا کہہ رہے تھے ان کو بھی کچھ کہنے سے روکدیا لیکن رب کو اپنے پیارے کی یہ بے ادبی اور گستاخی گوارا نہ ہوئی اس کے دوسرے ہی روز اس بے ادب کوتوال کو اس کی بے ادبی کی سزا دے دی گئی وہ اسطرح کہ اس کا علاقہ کے کچھ لوگوں سے جھگڑا ہو گیا۔ نوبت جنگ وجدال تک پہنچ گئی وہ کوتوال ڈر کر بالا خانہ کی چھت پر چڑھ گیا بالا خانہ بارود سے بھرا ہوا تھا اچانک اس بارود میں آگ لگ گئی اور وہ کوتوال اپنے ساتھیوں سمیت جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کی لاش کا نام ونشان تک نہ رہا۔ (حضرات القدس ۲ ص ۱۸۷/ زبدۃ المقامات ص ۳۵۸)

کیوں نہ ہو۔ رب کا ارشاد ہے "من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب" کہ جو میرے ولی سے دشمنی رکھے وہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ بھلا اس کے ولیوں سے دشمنی مول لے کے رب سے کون جنگ کر سکتا ہے۔

مانگ کیا مانگتا ہے: حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے لئے وضو کا پانی وغیرہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ایک روز ان کی اس خدمت کو دیکھ کر نبی کا دریائے رحمت جوش میں آگیا آپ نے ان سے فرمایا "سلنی" مجھ سے مانگو کیا مانگتے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ جنت میں آپ کی رفاقت آپ سے مانگتا ہوں آپ نے فرمایا "اوغیر ذالك" کیا کچھ اور بھی مانگنا چاہتے ہو، حضرت ربیعہ نے عرض کیا بس میں تو صرف یہی مانگتا ہوں آپ نے فرمایا بس تم کثرت سجود سے میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم بباب فضل السجود ص ۱۹۳/ سنن نسائی باب فضل السجود، ج ۱ ص ۱۷۱/ مشکوۃ، ج ۱ ص ۸۴) اسی طرح طبرانی معجم اوسط کی حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور روایت ہے کہ ایک روز ایک اعرابی نے حضور سے بار بار سوال کیا آخر میں حضور نے اس سے فرمایا "سل ماشئت یا اعرابی" اے اعرابی جو مانگنا چاہتا ہے مانگ۔ لے مولیٰ علی فرماتے ہیں ہمیں اس

اعرابی پر رشک آیا اور ہم نے اپنے جی میں کہا کہ اب یہ حضور سے ضرور جنت مانگے گا۔ مگر اس اعرابی نے حضور سے یہ مانگا کہ مجھے ایک اونٹ دے دیجئے الخ۔ (تفسیر در منشور ۴ ص ۹ ۳ ۱/ حاکم / تفسیر جلالین ص ۳۱۲/ طبرانی معجم اوسط)

مندرجہ بالا پہلی حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ویوخذ من اطلاقه علیه الصلوٰة والسلام الامر بالسوال ان الله تعالیٰ مکنه من اعطاء کل ما ارادمن خزائن الحق" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ملا علی قاری ا ص ۵۵۰) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا اس میں کوئی قید نہیں لگائی اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت اور طاقت بخشی ہے کہ وہ اللہ کے خزانوں میں سے جو چاہیں عطا فرمادیں۔

یہی شان عطاء اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مظہر اتم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ ایک روز تنہائی میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک نو مسلم عبدالمومن آپ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا آپ نے اس سے خوش ہو کر وہ ہی الفاظ فرمائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر اپنے خادم ربیعہ سے فرمائے تھے آپ نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے، جو مانگیگا وہ ہی ملیگا" اس نے عرض کیا حضور! میرے بھائی اور والدہ کفر میں بہت سخت ہیں میں نے بڑی کوشش کی لیکن وہ مسلمان ہونے کے لئے تیار نہیں۔ لہذا آپ توجہ فرمائیں کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر آپ نے پھر وہ ہی الفاظ فرمائے جو نبی کریم نے ربیعہ سے فرمائے تھے آپ نے فرمایا کچھ اور بھی چاہیئے تو وہ بھی مانگ لے اس نے عرض کیا کہ آپ کی توجہ کی برکت سے مجھے سب کچھ مل جائیگا فی الحال تو بس یہی ایک آرزو ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا اچھا جاؤ بہت جلد مسلمان ہو جائیں گے۔ آپ کے فرمانے کے تیسرے ہی روز وہ دونوں سرھند شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مشرف ہو گئے۔

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

رضائے محبوب : حدیث قدسی ہے "کلهم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاك یا محمد" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب کو میری رضا مطلوب ہے لیکن اے محمد مجھے تیری رضا مطلوب

ہے

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

جب اللہ اپنے محبوب کی رضا چاہتا ہے تو وہ وہی کریگا جس میں اس کا محبوب راضی ہو گا۔ پھر اس محبوب کی رضا کے بغیر کب کسی کو کچھ دے سکتا ہے؟ اسی لئے کسی شاعر نے خوب کہا:

کسی کو کچھ نہیں ملتا تیری عطاء کے بغیر
خدا بھی کچھ نہیں دیتا تیری رضا کے بغیر

اسی شان محبوبی کی ایک جھلک ہمیں حضرت امام ربانی کی ذات گرامی میں بھی منعکس نظر آتی ہے اور اس پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ شہزادہ خرم کی اپنے والد سے سخت لڑائی چل رہی تھی شہزادہ کو فوج کی کثرت کے باوجود اس لڑائی میں فتح حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ ایک روز شہزادہ نے اس وقت کے ایک باکمال اور بلند روحانی مرتبہ کے حامل ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ آخیر کیا معاملہ ہے کہ فوج بھی میرے پاس زیادہ ہے پھر والد کے اکثر امراء بھی میرے حمایتی ہیں اس کے باوجود مجھے فتح نصیب نہیں ہو رہی یہ رکاوٹ کیا ہے؟ ان بزرگ نے اپنے کشف سے معلوم کر کے بتایا کہ اس زمانہ میں چار بزرگ ایسے ہیں جن کی "رضا" پر اس کام کا دارومدار ہے ان میں سے تین تمہاری فتح کے لئے راضی ہیں لیکن ان میں سے ایک بزرگ جو ان سب سے افضل ہیں وہ تمہاری فتح پر راضی نہیں جب تک وہ رضا مند نہیں ہونگے تمہیں فتح نہیں ملے گی۔ شہزادہ نے جب ان کا نام پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں

خدا بھی کچھ نہیں دیتا تیری رضا کے بغیر

چونکہ یہ شہزادہ علم دوست اور علماء و صلحاء کا ادب کرنے والا تھا۔ لہذا اہل دین حضرات کی یہ خواہش تھی کہ شہزادہ کو اس معرکہ میں فتح حاصل ہو چنانچہ انہوں نے امام ربانی کو خط ارسال کیا جس میں آپ کو لکھا کہ یہاں کے اہل نظر اور اہل بصیرت حضرات نے مکاشفہ کے ذریعہ معلوم کیا ہے کہ شہزادہ کو فتح نصیب ہو گی آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اس معرکہ میں معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے لیکن آخیر میں شہزادہ کو ہی سربلندی حاصل ہو گی۔ چنانچہ آپ کی زبان پر انوار سے

جو نکل گیا وہ ہو کر رہا چار پانچ سال تو شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے بڑی پریشانیاں اٹھائیں لیکن آخیر میں انہی کو باپ کی جانشینی ملی اور خوب عروج حاصل ہوا۔ بلکہ حضرت امام ربانی کے تمام سوانح نگار لکھتے ہیں کہ اس کے دور میں دین کو عروج ملا، اسلام کو رونق ملی اور شریعت کو نئی زندگی ملی، عالموں اور عارفوں کی عزت و حرمت اور بڑھ گئی۔ (زبدۃ المقامات ص ۷۷ ۱۳/ حضرات القدس ۲ ص ۶۰/۶۱)

معراج مقدس : اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو معراج کی رات عرش سے ماورا بلا کر اپنا خاص قرب عطاء فرمایا جو اس سے پہلے کسی نبی کو اور کسی رسول کو عطاء نہیں فرمایا تھا فاضل بریلوی نے اس کا نقشہ خوب کھینچا آپ فرماتے ہیں۔

یہ طور کجا سپہر تو کیا کہ عرش علیٰ بھی دور رہا
جہت سے ورا وصال ملا یہ رفعت شاں تمہارے لئے
نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے کامل اتباع کے باعث حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی عرش سے وراء اپنا وصال عطاء فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ میں ایک جگہ طواف کر رہا ہوں اور ایک جماعت بھی اس طواف میں میرے ساتھ شریک ہے، لیکن اس جماعت کے طواف کرنے کی رفتار اسقدر سست ہے کہ جب تک میں ایک دو طواف مکمل کر لوں وہ جماعت صرف دو تین قدم ہی مسافت طے کرتی ہے ~~طلبی~~ دوران مجھے بتایا گیا کہ یہ جگہ عرش کے اوپر ہے اور یہ طواف کرنے والوں کی جماعت فرشتوں کی ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ " ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم " کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (مبداء و معاد منھا ۲۳/ زبدۃ المقامات ص ۲۷۲)

مشکلات قبر سے رہائی : حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو ہم حضور کے ساتھ ان کے یہاں گئے۔ حضور نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے بعد ان کو دفن کر دیا گیا، ان کی قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد حضور بہت دیر

تک تسبیح و تکبیر پڑھتے رہے یعنی سبحان اللہ اور اللہ اکبر فرماتے رہے تو صحابہ کرام بھی اسی طرح کہتے رہے جب آپ خاموش ہوئے تو صحابہ نے دریافت کیا یارسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا آپ نے فرمایا" لقد تضايق علے هذا العبد الصالح قبره حتى فرجه الله عزوجل عنه " کہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر کو کشادہ کر دیا۔ (مسند احمد بن حنبل ۳ ص ۱۳۶/ مشکوۃ المصابیح ص ۲۶)

یہی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تبعیت اور وراثت میں حضرت امام ربانی کو بھی عطاء فرمایا تھا کہ آپ کی دعاؤں سے اہل قبور کی مشکلات آسان ہو جاتی تھیں اور آپ کے پڑھنے سے ان کو قبروں میں راحت واطمانیت حاصل ہو جاتی تھی، بطور مثال چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

(۱) آپ ایک روز حضرت امام رفیع الدین رضی اللہ عنہ کی مزار پر انوار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے جو آپ کے اجداد کرام میں سے تھے۔ وہاں کھڑے ہو کر آپ نے سارے قبرستان والوں کے لئے دعا کی کہ اے اللہ ان تمام اہل قبور پر رحم فرما ان میں سے جس پر عذاب ہو رہا ہے اس سے عذاب کو اٹھالے آپ فرماتے ہیں جب میں نے یہ دعا کی تو جواب آیا کہ تمہاری دعا پر ہم نے ایک ہفتہ کے لئے ان اہل قبور پر سے عذاب کو اٹھالیا آپ نے پھر بارگاہ الٰہی میں التجا کی کہ اے غفور رحیم تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ ان کی مغفرت میں اور اضافہ فرمادے جواب آیا تمہاری التجا پر ہم نے ایک ماہ کے لئے ان پر سے عذاب اٹھالیا۔ آپ نے پھر بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری کی کہ انپر کچھ مزید اور کرم فرمادیجئے، جواب آیا چونکہ تم بار بار ان کے لئے ہماری بارگاہ میں التماس کر رہے ہو اس لئے ہم نے تمہاری وجہ سے ان قبرستان والوں پر سے ہمیشہ کے لئے عذاب اٹھالیا۔

(۲) آپ فرماتے ہیں ایک روز اپنے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالاحد کے مزار پر حاضری کے لئے میں گیا تو وہاں میرے ذہن میں خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے، کہ جب کوئی عالم کسی قبر سے گزرتا ہے تو اہل مقبرہ پر سے چالیس روز کے لئے عذاب اٹھ جاتا ہے۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ اس ہی وقت آپ کو الہام کیا گیا کہ تمہاری آمد کی برکت سے ہم نے اس قبرستان والوں پر سے قیامت تک کے لئے عذاب اٹھالیا۔

(۳) حضرت حاجی حبیب احمد صاحب حضرت امام ربانی کے خاص خادموں میں سے تھے بڑے

عابد وزاہد تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ حضرت کے ساتھ رہا کرتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ اجمیر شریف کے زمانہ قیام کے دوران جب میں حضرت کی خدمت میں تھا تو مین نے ستر ہزار بار کلمہ طیبہ کا ختم کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے ستر ہزار بار جو کلمہ شریف پڑھا ہے اس کا ثواب آپ کو پیش کرتا ہوں آپ نے فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی دوسرے دن آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کل جس وقت میں دعا کر رہا تھا اس وقت فرشتوں کی فوجیں اس کا ثواب آسمان سے لیکر آرہی تھیں اور وہ اسقدر کثیر تعداد میں تھے کہ زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں رہی تھی پھر آپ نے فرمایا کہ اس ختم کا ثواب میرے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ اس دن سے آپ نے اپنے لئے ہزار دانہ کی تسبیح تیار کروائی اور ہمیشہ آپ اس پر تنہائی میں کلمہ طیبہ کا ورد فرمانے لگے، جمعرات کے دن شب جمعہ کو حلقہ میں یہ تسبیح لائی جاتی تھی اور اس پر سب مریدین کے ہمراہ آپ ایک ہزار بار درود شریف کا ورد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے تسبیح لینے کی ابتداء اسی دن سے ہوئی۔ حضرت حاجی حبیب احمد فرماتے ہیں کہ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس پر تعجب نہ کرنا میں اپنا حال تمہیں بتاتا ہوں کہ میں ہر روز رات کو تہجد کے بعد پانچ سو مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے بیٹا بیٹیوں محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور ام کلثوم جو فوت ہو چکے ہیں ان کو اس کا ثواب پہنچادیا کرتا تھا۔ جس روز نہیں پہنچاتا تھا اس روز محمد عیسیٰ کی روح آکر مجھے نیند سے بیدار کرتی اور مجھے کلمہ طیبہ کے ختم کے لئے تیار کر کے چلی جاتی تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے بھائی محمد فرخ اور اپنی بہن کلثوم کی روحوں کو بھی بلا کر میرے پاس لے آتی اور جب تک میں وضو کر کے تہجد پڑھ کے کلمہ طیبہ کا ختم نہیں کرلیتا وہ روحیں میرے اردگرد اس طرح پھرتی رہتی تھیں جس طرح ایک ماں جب اپنے بچوں کے لئے روٹی تیار کرتی ہے تو جب تک ان بچوں کو روٹی نہیں مل جاتی وہ ماں کے اردگرد پھرتے رہتے ہیں اس طرح میں بھی جب ان بچوں کو کلمۂ طیبہ کا ثواب بخشدیا کرتا تھا تو وہ روحیں چلی جایا کرتی تھیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کثرت ثواب کی وجہ سے وہ چونکہ اب معمور ہو چکی ہیں اس لئے آج کل میرے پاس نہیں آرہی ہیں۔ (حضرات القدس ا ص ۱۰۴)

اس واقعہ سے کئی باتیں ثابت ہو گئیں:

(۱) کہ زندوں کو بھی ثواب پہنچایا جاتا ہے اور وہ ان کو پہنچ جاتا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ثابت ہو گئی کہ دوسرا کوئی شخص کسی زندہ کو ثواب پہنچائے تو اس سے زندہ کو

فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے روحانی مراتب میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ بھی ثابت ہو گئی کہ مردے بھی اپنے اعزاء و اقرباء اور دوست احباب کی طرف سے ایصال ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ مردوں کو ثواب پہنچایا جائے تو ان کو بھی پہنچتا ہے اور وہ ثواب پاکر مطمئین ہو جاتے ہیں یہ ثواب ان کیلئے بھی گناہوں کی مغفرت بلندی درجات اور اطمینان و راحت کا سبب بنتا ہے۔

(۵) پانچویں بات یہ بھی ثابت ہو گئی کہ مرحومین کو ایصال ثواب کرنا یہ حضرت امام ربانی جیسے متبع سُنّت اولیائے کرام کا طریقہ اور دستور رہا ہے۔ اگر ایصال ثواب کرنا بدعت یا ناجائز ہوتا تو حضرت امام ربانی جنھوں نے ساری زندگی بدعت کے خلاف اور سنت کی ترویج و اشاعت میں جہاد کرتے ہوئے گزاری وہ کبھی بھی ایصال ثواب نہ کرتے۔

عطائے کوثر : اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا" اِنّا اعطیناکَ الکوثر "اے محبوب! ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "کوثر" کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ھو الخیر الکثیر کلہ" یعنی کثرت کیساتھ ہر قسم کی بھلائی و خوبی اور کمال کو "کوثر" کہتے ہیں۔ تو اب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بیان کردہ شعر کی زبان میں آیۃ مبارکہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ :

ہر مرتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم

ہر نعمتے کہ داشت خدا برد تمام (اخبار الاخیار)

یعنی الوھیت اور معبودیت کے علاوہ وہ تمام اوصاف کمالات وہ تمام محاسن و فضائل وہ تمام دینی اور اخروی نعمتیں اور فضیلتیں جو ایک انسان کے لئے ممکن ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرما دیں۔

اِنَّ اعطَینا کَ الکوثر

ساری کثرت پاتے یہ ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے کمال اتباع کے طفیل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی اس ہی مقام رفیع سے سرفراز فرمایا چنانچہ آپ نے اپنے مرض وفات کے دوران تحدیث نعمت کے طور پر اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر وہ کمال جو کسی بشر کے لئے سوچا جا سکتا ہے اور اس کے لئے ممکن الحص...

ہو سکتا ہے اللہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اس میں سے ایک حصہ عطاء فرمادیا ہے۔ (حضرات القدس ۲ ص ۱۱۴)

داستانِ حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

ختم نبوت : اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین بنا کر مبعوث فرمایا" ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین "اور آپ پر نبوت ختم کر دی کہ اب یہ کمال آپ کے بعد کسی اور کو نہیں ملیگا۔

اسی طرح کے وصف خاص کیساتھ اللہ تعالیٰ نے اتباع رسول کے صدقہ میں حضرت امام ربانی کو اس طرح سر فراز فرمایا کہ بعض روحانی کمالات آپ پر ختم کر دیئے اور اعلان کر دیا گیا کہ اب یہ کمالات آپ کے بعد قیامت تک کسی اور کو نہیں ملیں گے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ ہمارے زمانے سے لیکر حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ظہور تک یہ کمالات اور معاملات جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے ہیں کسی اور کو حاصل نہیں ہونگے۔ (حضرات القدس ۲ ص ۱۱۰)

ہر کلام وحی الٰہی : اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے فرمایا" وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالاوحی یوحی" (سورۃ نجم آیت ۳ پارہ ۲۷) کہ ہمارے محبوب کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے بلکہ ان کا ہر ارشاد میری وحی ہوتی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

اتباع مصطفےٰ کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خصوصی وصف کمال سے بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو سر فراز فرمایا تھا۔ چنانچہ مکتوبات کے دفتر اول کی تکمیل کے بعد جب دفتر دوم کا آغاز ہونے لگا تو اس وقت قصور اور انکساری کے جذبات کا آپ پر غلبہ ہوا اور آپ کے دل میں خیال آیا کہ یہ جو معارف میں مکتوبات میں لکھ رہا ہوں نہ معلوم یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک مقبول بھی ہیں یا نہیں؟ اس خیال کا آنا تھا کہ فوراً غیب سے آواز آئی کہ یہ تمام علوم و معارف جو تمہاری تحریر یا تقریر میں آئے ہیں یہ سب ہماری بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول ہیں حتیٰ کہ جو تم گفتگو کرتے ہو وہ بھی ہمارے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہے بلکہ یہ سب باتیں ہم نے کہیں ہیں اور ہماری بیان کردہ ہیں۔

نیز خود حضرت نے دفتر اول کے مکتوب ۲۳۴ کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ یہ معارف جو تحریر ہوئے ہیں امید ہے یہ الہامات رحمانی سے ہونگے اس میں وساوس شیطانی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہو گا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب آپ ان علوم کے تحریر کرنے میں مصروف ہوئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی تو آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ ملائکہ اس مقام سے شیطان کو دفع کر رہے ہیں اور جہاں یہ لکھے جا رہے تھے وہاں شیطان کو قریب بھی نہیں آنے دے رہے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ معارف وساوس شیطانی سے پاک ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں ہم پر اللہ کی طرف سے ایک دن یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ہماری یہ تحریریں حضرت مہدی علیہ السلام کی نظر اقدس سے بھی گزریں گی اور ان کے نزدیک بھی مقبول ہونگی۔

آپ کی تحریریں کیونکہ منجانب اللہ اور وحی الٰہی سے تھیں اس لئے بارگاہ مصطفےٰ میں بھی شرف قبولیت سے ہمکنار ہوئیں چنانچہ اپنے ایک رسالہ کے متعلق اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ سے اپنے ایک مکتوب میں آپ اپنے ایک مشاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب دوسرا رسالہ جس کی تبیض ہو چکی ہے وہ بھیجا جا رہا ہے یہ بہت زیادہ برکت والا ہے اور اس کی تحریر کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضرت رسالت خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ مشائخ امت کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ موجود ہیں اور اس رسالہ کو اپنے دست مبارک میں لئے ہوئے کمال کرم سے اس کو بوسہ دے رہے ہیں اور مشائخ کو دکھا رہے ہیں کہ اس طرح کے عقیدے حاصل کرنے چاہیئے۔

ایک مخلص نے آپ سے کرامات اور خوارق کی طلب ظاہر کی تو اس کے جواب میں آپ نے ان کو ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا جس مین اپنے ان بیان کردہ علوم و معارف کو خوارق اور کرامت سے تعبیر کرتے ہوئے اور ان کے منجانب اللہ ہونے پر استدلال کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا کہ "یہ علوم و معارف الٰہی بڑی نشانیوں اور بلند ترین خوارق سے ہیں اس ہی لئے معجزہ قرآنی تمام معجزات سے زیادہ اور باقی رہنے والا ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ یہ تمام علوم و معارف جو ابر نیساں کی طرح برستے ہیں کہاں سے آتے ہیں تمام علوم اسقدر کثرت کے باوجود علوم شرعیہ کے موافق ہیں بال برابر بھی ان میں کہیں سنت کی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے یہ خصوصیت ان علوم کی صحت کی دلیل ہیں۔ ہمارے خواجہ قدس سرہ الاقدس (خواجہ باقی باللہ) نے لکھا تھا کہ تمہارے علوم سب صحیح ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کے جد امجد حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے "محدث" کے مقام پر فائز کیا تھا اور آپ کو چونکہ اپنے جد امجد کی اس وراثت سے بھی حصہ ملا تھا اس لئے آپ کے بیان کردہ تمام علوم و معارف در حقیقت اللہ کی طرف سے تھے بقول مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

زبدۃ المقامات ص ۳۱۸۔ ۳۲۳ /بحوالہ مکتوبات شریفہ ۱۶۱/۱، ۵۱/۲، ۲۳۴/۱، ۲۰۷/۱)

وصال میں اتباع: جب آپ نے اپنی ساری زندگی اتباع مصطفےٰ میں گزاری تو "وصال" میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضور کی متابعت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی وفات کے وقت وہ ہی حالات اور واقعات رونما ہوئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک کے وقت ظہور پذیر ہوئے تھے۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

وصال کی خبر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے ہی اپنے وصال الٰہی کی خبر صحابہ کرام کو دے دی تھی چنانچہ منیٰ میں جمعتہ الوداع کے موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے واضح طور پر اپنی وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

"اے لوگو! مجھ سے مناسک حج سیکھ لو، شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں"

(زاد المعاد ابن قیم ج ۱ ص ۴۲۰)

اسی طرح حضرت امام ربانی جب اپنے آخری ایام میں اپنے صاحبزادہ خواجہ محمد سعیدؒ کو معارف و حقائق کی تعلیم دینے لگے تو آپ کے صاحبزادہ نے آپ کی نقاہت اور آپ کے ضعف کو دیکھتے ہوئے عرض کیا کہ اس وقت رہنے دیجئے کسی اور وقت میں جب طبیعت حال ہو اور فرصت بھی ہو تو ارشاد فرما دیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

"بیٹا! وہ وقت کہاں اور فرصت کیسی، جیسا کہ میرے علم میں ہے کہ اگلا وقت ایسا ہوگا جس میں مجھے بیان کی طاقت بھی نہیں رہے گی"

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت خاتون جنت بی بی فاطمہ الزھرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ میری وفات قریب ہے اور وہ یہ سن کر رونے لگیں تھیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے دونوں فرزند خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو اپنے پاس بلاتے ہوئے فرمایا کہ اب میری عمر ختم ہونے کا زمانہ قریب آگیا ہے لہذا تم دونوں میرے پاس آجاؤ جب دونوں آپ کے پاس آگئے تو ان کو خلوت میں بلا کر فرمایا کہ مجھے اب کسی طرح سے اس دنیا سے دل بستگی نہیں رہی کیونکہ مجھے اس دنیا سے جانا ہے اور جانے کے آثار بھی دکھائی دینے لگے ہیں۔ اسی طرح شب برائت کو آپ کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا نہ معلوم آج کی رات کس کا نام ورق ہستی سے مٹا دیا گیا ہوگا۔ اس پر آپ نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تو شک سے کہتی ہو لیکن اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے خود دیکھا ہے کہ اس کا نام دنیا کی زندگی کے صحیفہ سے مٹا دیا گیا ہے۔

وصال سے ایک ماہ پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے گھر طلب فرمایا ان کو دعائے خیر دینے کے بعد ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں اور آخیر میں فرمایا اب اللہ تمہارا محافظ ہو، حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا آپ ہم سے کس وقت رخصت ہونگے؟ آپ نے فرمایا تم سے جدائیگی، اور جنت میں جانے اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کا وقت قریب آگیا ہے۔ (شواہد النبوۃ ص ۱۸۶) اسی طرح وصال سے ایک ماہ پیشتر حضرت امام ربانی نے بھی اپنے مخلصین سے فرمادیا تھا کہ ہمیں بتادیا گیا ہے کہ چالیس پچاس دنوں کے اندر تمہیں اس جہان فانی سے اس جہان باقی کی طرف چلے جانا ہے بلکہ ہماری قبر بھی بتادی گئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر مقرر فرمایا تو ان کو طویل نصیحتیں فرمائیں اور پھر فرمایا کہ اگر میری تمہاری دوبارہ ملاقات ہونی ہوتی تو میں اتنی لمبی چوڑی وصیت نہ کرتا بلکہ بہت مختصر نصیحت کرتا لیکن اب ہم قیامت تک ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے اور واقعی ایسا ہی ہوا حضرت معاذ کے یمن میں قیام کے دوران آپ کا وصال ہو گیا۔ (شواہد النبوۃ، علامہ جامی ص ۱۸۶) اسی طرح صاحب زبدۃ المقامات خواجہ محمد ہاشم کشمی کو خیال آیا کہ صوبہ دکن میں بغاوتیں ہو رہی ہیں لہذا وہاں سے اپنے بچوں کو یہاں لے آؤں یہ سوچ کر جانے کے لئے حضرت سے اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ جلد بچوں کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر

ہو جاؤں۔ آپ نے اس کے جواب میں آہ کھینچی اور پھر فرمایا دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں ہم دونوں یکجا ہو جائیں، یہ ارشاد سن کر مخدوم محمد ہاشم کے ہوش اڑ گئے اور جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا وہ ابھی واپس نہیں آئے تھے کہ حضرت کا یہاں وصال ہو گیا۔ وصال کے روز رات کو تہجد کے لئے جب آپ اٹھے تو آپ نے نماز تہجد کے بعد اعلان فرمادیا کہ ہماری آخری تہجد ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ پھر آپ کی ظاہری زندگی میں دوسری تہجد نہیں آئی اور دوسرے دن آپ کا وصال ہو گیا۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۷۹/۳۸۲/۳۸۴/۳۸۶/۳۸۸/۳۸۹)

اتمام نعمت : جمعۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن عرفات کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی " **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی** " (سورۃ مائدہ ۵/۳) ترجمہ آج مین نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور اس آیت کے نزول کے چند دنوں کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ تو جس طرح اس آیہ مبارکہ میں وصال سے چندروز پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتمام نعمت کی بشارت دی گئی اسی طرح حضرت امام ربانی کو بھی وصال سے چندروز پیشتر نبی کریم کے اتباع کا شرف عطا کرتے ہوئے رب کی طرف سے یہ خوشخبری سنادی گئی کہ نبی نوع انسان کے لئے جو کچھ کمالات متصور اور ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب ہم نے اپنے محبوب نبی کے طفیل تمہیں عطا کر دیئے۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۸۷)

وصیت : جس طرح وصال سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسل نے اپنے صحابہ کرام کو وصیت فرمائی تھی اسی طرح حضرت امام ربانی نے بھی اپنے اصحاب کو آخیر میں وصیت فرمائی اور جن امور کی وصیت حضور نے فرمائی تھی۔ آپ نے بھی اتباع مصطفٰے میں اپنے اصحاب کو انہی امور کی وصیت فرمائی ۔ چنانچہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے ہمیں نصیحت فرمائی ایسے رقت آمیز نصیحت تھی کہ لوگوں کے دل ہل گئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! یہ تو ایسی نصیحت آپ فرمارہے ہیں جیسے کوئی رخصت اور وداع کرنے والا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنا اور اطاعت و فرمابرداری کرنا اگرچہ تم پر غلام ہی حکومت کیوں نہ کرے، جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ

اختلاف کثیرہ دیکھے گا۔ لہذا تم میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لینا اور نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ بدعتیں گمراہی ہیں۔ (سنن ترمذی / سنن ابو داؤد)

حضرت امام ربانی نے ساری زندگی سنت پر عمل کرتے ہوئے بسر کی اور آخر میں مرضِ وفات کے اندر جب غش سے کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے اتباع مصطفےٰ میں اپنے احباب کو بھی اسی کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑنا بدعت سے اجتناب کرنا اور ہمیشہ ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغولیت اختیار کئے رہنا۔ (زبدۃ المقامات ص ۳۸۹)

صدقات و خیرات : جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وصال حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صدقات و خیرات کرنے کا حکم دیا (الوفا باحوال المصطفےٰ، ابن جوزی ص ۱۰۲) اسی طرح حضرت امام ربانی نے بھی اپنے مرض وفات کے ایام میں کثرت سے صدقات و خیرات فرمائے ۲۳ صفر جمعرات کے دن آپ نے درویشوں میں بڑی کثرت سے کپڑے تقسیم فرمائے اور اس طرح اس سنت پر بھی چلتے چلتے عمل کر لیا۔

شوق لقائے الٰہی : آخری ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شوق لقائے الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ جب صحابہ کرام نے آپ کو دوا پلائی تو آپ نے دوا پینے سے انکار کر دیا۔ (صحیح بخاری، ذکر وفات / صحیح مسلم باب التداوی بالادویہ) اپنے نبی کی اتباع میں آپ کے شوق لقائے الٰہی کا بھی یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے تھے۔ اگر کوئی طبیب مجھ سے یہ کہہ دے کہ تمہارا یہ مرض اب علاج پذیر نہیں ہے تو میں شکریہ کے طور پر فقراء میں روپے تقسیم کروں۔

جس طرح آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر "اللّٰھُمَّ الرفیق الاعلیٰ" کے الفاظ جاری تھے اسی طرح آخری ایام میں آپ کی آنکھوں میں آنسو ہوتے تھے اور زبان پر یہی کلمات ہوتے تھے کہ "اللّٰھُمَّ الرفیق الاعلیٰ" ایک روز صاحبزادگان نے گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا "شوق وصال حضرت ذوالجلال"۔

اسی طرح آخری وقت میں آپ کی عزلت نشینی اور مخلوق سے مکمل انقطاع اور لاتعلقی کے بارے میں جب کسی نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ

اب دنیا سے ہمارے رخصت اور رحلت کا وقت قریب آگیا ہے لہذا اب توبہ اور استغفار کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا ضروری ہے اور یہ مقصد بغیر مکمل انقطاع کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا تم سب لوگ مجھ سے الگ ہو جاؤ اور مجھے اللہ کے حوالہ کردو۔

ایک روز صاحبزادگان نے آپ سے عرض کیا کہ آخر یہ ہم سے آپ کی لاتعلقی اور بے التفاتی کی کیا وجہ ہے ؟ آپ نے فرمایا، حق تعالیٰ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے۔ ہاں البتہ میری شفقت اور اعانت تم لوگوں کے لئے میرے انتقال کے بعد اس دنیا کی شفقت سے کہیں زیادہ ہو جائیگی کیونکہ اس دنیا میں بعض اوقات علائق بشری اعانت و توجہ کے لئے مانع ہو جاتے ہیں جبکہ مرنے کے بعد فراغت بھی ہے اور تجرد بھی ہے۔

شوق لقائے الٰہی کی جو چنگاری آپ کے قلب میں لگی ہوئی تھی آپ کے بار بار "اللّٰھمّ الرفیق الاعلیٰ" کہنے سے اس کی تپش کا اندازہ ہو رہا تھا۔ لیکن آخری وقت میں یہ آتش شوق اتنی تیز ہو گئی کہ فراق و جدائیگی میں رات کا کچھ حصہ گزارنا بھی آپ کو مشکل ہو گیا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہو گئے کہ "اصبح لیل" "اے رات جلد صبح ہو جا کہ محبوب کا جلد وصال نصیب ہو جائے۔ کیونکہ آپ نے فرما دیا تھا کہ یہ ہمارے آخری تہجد ہے گویا آپ کے علم میں تھا کہ وصال الٰہی صبح کے وقت حاصل ہو گا اسی لئے آپ اس گھڑی اور وقت کا شدت سے انتظار کر رہے تھے اور اس کے لئے اپنی تڑپ اور بے چینی کا اظہار ان الفاظ میں کر رہے تھے کہ "اصبح لیل" "اے رات جلد صبح ہو جا۔

افاقہ : جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض وفات میں کچھ وقت کے لئے افاقہ ہوا تھا اسی طرح اس سنت سے بھی حضرت امام ربانی سرفراز ہوئے اور آپ کو بھی مرض وفات میں کچھ وقت کے لئے افاقہ ہوا لیکن ان صحت کے ایام میں بھی آپ ان ضعف کے ایام کو یاد کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس ضعف کی شدت میں مجھے وہ لذت اور حلاوت نصیب ہوئی تھی جو اس چندروزہ صحت میں بھی نصیب نہیں ہے۔ یہ الفاظ بھی آپ کے ازدیاد شوق الٰہی پر دلالت کرتے ہیں۔

آخری کلام : بعض روایات میں آتا ہے کہ عین وصال کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جو آخری کلمات آئے وہ یہ تھے "الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم" نماز اور غلام۔

اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی حضرت امام ربانی کو اتباع رسول کی دولت سے سرفراز فرمایا اور آخری وقت میں آپ کی زبان مبارک سے جو آخری الفاظ نکلے وہ بھی نماز ہی کے بارے میں تھے۔ آپ نے فرمایا، وہ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھ لی ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ یہ آخری الفاظ آپ نے ادا فرمائے اور ۲۹ صفر ۱۰۳۴ بروز منگل آپ اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

ھیئت نماز : حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں نے آپ کے ہاتھ آپ کے سینہ پر رکھ دیئے۔ (شواھد النبوۃ، عاف جامی ص ۱۸۷) گویا نماز کی سی ھیئت بنا دی۔

اور وہ ذات جس نے ساری زندگی اتباع مصطفیٰ میں گزار دی اور اپنے نبی کی کسی سنت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا وہ بھلا اس آخری سنت کو کیسے چھوڑ سکتے تھے چنانچہ وصال کے بعد آپ نے خود ہی اپنا دایاں دست انور بائیں دست انور پر اس طرح باندھ لیا جس طرح نماز میں باندھا جاتا ہے جب غسال نے غسل دیا تو آپ کے ہاتھوں کو سیدھا کر دیا لیکن جب غسل سے فارغ ہوئے تو وہاں پر موجود احباب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ نے پھر دوبارہ اپنے ہاتھ کو سینہ کے قریب لیجا کر اسی طرح باندھ لیا جس طرح نماز میں باندھے جاتے ہیں احباب نے بھی پھر ہاتھ کھولنا مناسب نہیں سمجھا اور اسی نماز کی ھیئت اور حالت میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اور آپ ھم فی صلوٰتھم دائمون کی حقیقی تفسیر بن کر اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

عمر مبارک : رب کائنات نے دیکھا کہ اس ہمارے بندہ نے ہمارے نبی کے اتباع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا لہذا اس کو عمر کے معاملہ میں اتباع رسول سے سرفراز کیا جانا چاہیئے چنانچہ آپ کو تریسٹھ سال کے عمر عطا فرمائی گئی جو آپ کے آقا حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی۔

مزار مبارک : آخری مرحلہ قبر کا تھا سو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپ کی متابعت کے فیضان سے سرفراز فرمایا۔ وہ اس طرح

کہ حضور کا مزار مبارک اس مقدس زمین پر ہے جو جنت کا ایک ٹکڑا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا "مابین بیتی وممبری روضة من ریاض الجنة" کہ میرے گھر اور ممبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی اتباع رسول کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اسی خصوصیت سے سرفراز فرمایا چنانچہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنے مزار مبارک کی جگہ کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے میرے فرزند محمد صادق کی قبر کے برابر دفن کیا جائیگا کہ اس زمین میں جو داخل احاطہ ہے میں نے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھا ہے۔ (زبدة المقامات ۸ ص ۲۹۸)

ایک اور مقام پر اس جگہ کی عظمت کو مزید آشکار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں "اگر میرے روضہ کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر مٹی کسی قبر میں ڈالدی جائے تو بفضلہ تعالیٰ رحمت عظیم کی امید ہے۔

شہر مبارک : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کے نور سے مدینہ کی درودیوار اس طرح روشن ہو گئیں جس طرح طلوع آفتاب سے روشن ہوتی ہیں۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب شیخ عبدالحق ص ۱۷)

وہ ذات جس کے لئے رب نے قرآن میں فرمایا "قد جاء کم من اللہِ نور" تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آگیا۔ وہ نور جب مدینہ پر جلوہ گر ہوا تو یہ شہر "مدینہ منورہ" بن گیا اور نور مصطفیٰ سے روشن و منور ہو گیا۔ تو پھر وہ ذات جو اتباع کر کے اس نور مجسم کا مظہر اتم بن گئی ہو وہ جس شہر میں جلوہ گر ہو گی وہ شہر پھر کیوں نہ بقعہ نور بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس معاملہ میں بھی متابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز کرتے ہوئے آپ کے شہر کو "نور" سے روشن اور منور کر دیا۔ چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب

گرامی میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے کرم سے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں شہر سرھند جو کہ میری جائے پیدائش ہے وہ گویا کہ ایک گہرا کنواں تھا جسے پُر کر کے ایک اونچا چبوترہ کیا گیا ہے اور وہ اکثر شہروں اور بستیوں سے بلند درجہ پر ہے اور اس زمیں میں ایسا نور امانت رکھا گیا ہے کہ جو بے کیف اور بے صفت نور سے مقتبس ہے اور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ شریف کی مقدس زمین سے روشن اور ظاہر ہوتا ہے۔ ایک عرصہ بعد ظاہر ہوا کہ وہ نور اس فقیر کے انور قلبیہ کا ایک لمعہ ہے جسے اس سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے۔ جس طرح ایک مشعل سے کوئی چراغ روشن کیا جاتا ہے"

1 جوہر: حضور سخی سائیں کے سینے مبارک میں جو معرفت الٰہی کا نور ہے وہ جوہر حاصل کرنے کیلئے ان کی خدمت، دی غلامی شے کر تاکہ وہ راضی ہوجائیں وہ نور ہمیں بھی حاصل ہو۔

2 جوہر: پورے خلوص سے ان کی غلامی کر طالب مولیٰ بن۔ کچھ نہ بھی ملا تو غلاموں میں شمار ہو جائیگا۔

3 جوہر: ولی مخلوقِ خدا سے دشمنی دکسی کیساتھ بھی) نہیں رکھتا اس کا دل کینہ بغض سے صاف سلیم ہوتا ہے

4 جوہر: علماء سے زیادہ نیک بخت کون وہ ساری زندگی دین کے لیئے وقف اور کوئی کام نہیں اگر دو چیزیں نہوں تو وہ ولی اللہ ہیں ایک حسد نہ ہو دوسرا اپنے علم پر عمل بھی کریں علم ایک بار عمل ایک سیر ہو۔

5 جوہر: اب دنیا کے جھگڑوں کو بالکل ختم کر کے محبت الٰہی کے حصول کیلئے رات دن کوشش کی جائے عزلت نشینی کو غنیمت جان کر عمر عزیز کو برباد ہونے سے بچایئے

6 جوہر: ہمیشہ فقیر کا زنگ اور یاد کے خیال تصور مرشد میں وقت صرف کیا جائے۔

01-12-2007